ارباب علم و دانش کے حضور میں یہ چند صفحات کی پیشکش ہے جسے آپ اپنی زبان سے معمولی اور کھوٹی کہہ کے آپ ہی اپنے منہ حقیر کیوں بنوں اور جسے بہت بڑی اور اہم جتلا کے بہرا سکے مقابل اپنی نااہلیت اپنی ہیچمیرزی اور کج مج بیانی کو خود بخود اجاگر کیوں کروں

یہ بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے میں نے کسی پر احسان نہیں کیا ہے

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

میں اجرت کا طالب نہیں۔ ستائش کا بھی متمنی نہیں ان اجری الا علی اللہ علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم۔

ہاں ہوں تو بے جا نوردہ گیریوں سے مصئون اور ماموں رکھنے کا مستدعی ضرور ہوں ہے

سرسبز کن اے سید ابر ادھرا | وہ رونق نخل گل بگلزار ادھرا
چوں دانہ ہزار بار بروئے زمیں زمیں | گرچرخ بیفگند تو بردار ادھرا

میں نے مسودہ ہی میں کتنی جگہوں مختلف اوقات میں ردوبدل کئے۔ یہ میں خود ہی جانتا ہوں۔ فقرے جملے اور الفاظ پہلے کچھ لکھے پھر کچھ۔ الفاظ کی نشست اور کرسی کہاں کہاں تھی پھر کہاں کہاں کردی۔ مضامین کی ترتیب کیا تھی اور کیا کردی بعض پر جب جب نگاہ پڑی جی یوں ہی چاہا کہ یہ فقرہ یوں نہ ہوتا یوں ہوتا۔

اس جگہ کے لئے یہ لفظ زائد مناسب زد د۔ اس محل پر یہ جملہ موزوں تر تھا۔ پھر اس ذات بے چون و بے چگون بے ریب و بے ملنوں نے تنبہ کر دیا کہ تقصیریں۔ عیوب خطائیں اور فروگذاشتیں انسانی سرشت و جبلت میں ہیں ہیچ ہے بے عیب ذات اسی کی ہے پس جیسے بھی ہیں یہ صفحات قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

عَلیہ توکلتُ والیہ انیب ،

مصطفیٰ حسن اللّٰھم اغفر لہ ولوالدیہ

اھداء

اپنے دو گرامی قدر عالی مرتبت استادوں سرآمد محدثین مولانا محمود حسن دیوبندی اسیر مالٹا تغمدہ اللہ برحمتہ اور شیخ الحدیث شاہ محمد انور شاہ کشمیری برد اللہ عندہ کے حضور کہ میری علمی زندگی کا اہم دور انہیں کے تلمذ برکات پر منتہی ہوتا ہے۔

دُرے کہ نثار دریا گردد از دریاست
و گلے کہ تحفۂ بہار شود ہم از بہارست

مصطفیٰ حسن اللّٰھم اغفر لہ

باسمك اللهم

اس موضوع پر قلم اٹھانے اور اپنے کو مفت بیٹھے بٹھائے طعن و نقد اور خوردہ گیریوں کا ہدف بنانے کا خیال دماغ میں کب آیا اور کیوں آیا اس صنف نقد استھ‌عندیہ دو سوال ہیں جو اس محل پر فطرۃً پیدا ہوتے ہیں جواب یہ ہے کہ دو برس ہوئے ان کی شخصیت اور ان کی اہمیت کسی کتاب کے مطالعہ کے دوران خیال میں آئی۔ خیال کی پختگی اور استحکام میں دیر لگی اس لئے کہ مواد سامنے نہ تھے۔ کہاں ڈھونڈھوں کہاں تلاش کروں۔ اردو کا تو ذکر ہی کیا عربی میں بھی اس موضوع پر اہل قلم نے تفصیلی قلم نہ اٹھائے تھے۔ اللہ تعالے جزائے خیر دے عزیزی مولوی شاہ شبیر عطا ابن مولانا شاہ محمد حلیم عطا شیخ الحدیث سابق دار العلوم ندوۃ العلما کو اور خدا انکی دنیا اور آخرت دونوں ہی سنوارے۔

انہوں نے برسبیل تذکرہ مجموعۃ الرسائل المنیریہ جزء ثانی میں ابن حجر عسقلانیؒ کے ایک مختصر رسالہ الرحمۃ الغیثیہ بالترجمۃ اللثیبیہ کے شامل ہونے کا ذکر کیا۔ ذکر ہی نہیں بلکہ خوب سوچ سمجھ کے خلق انسانی کا علاوہ انتہائی مظاہرہ کیا۔ مبادا کہ انکے اس عمل اور میرے ادائے شکر میں کوئی دوری کی مناسبت بھی قائم

رہ جائے۔ اپنے آبائی کتب خانے سے لاکر مجھے یہ مجموعہ مستعار دیدیا
اس چھوٹے سے رسالہ کو ہی میرے موضوع کی بنیاد اور اساس
کہئے تو بیان واقعہ اور اسی سے مجھے اس کے مختلف عنوانوں کے
اشارے ملے یہ اظہار حقیقت۔

اس پر اضافات اور ایزاد ات کر کے جب فارغ ہوا اور
ہندوستان پر مزید اس کے متعلق کچھ اور نہ ملا تو حسن اتفاق میرے
ولسا کبیر ڈاکٹر حافظ محمد رضوان علوی ایم اے پی ایچ ڈی اسسٹنٹ
پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی سلمہ اللہ الرحمن جو مرکزی حکومت ہند
کی طرف سے علمی اور ثقافتی وظیفہ یاب ہونے کی بنا پر قاہرہ
میں موجود تھے میں نے ان کے واسطے سے وہاں کے علما سے ملکر اس
شخصیت کے متعلق مزید معلومات اور مآخذ کا سراغ لگوایا اتفاق کہ
وہاں سے بھی اسی الرحمۃ الغیثیہ کا سراغ ملا بس۔ میں نے اپنے تتبع اور
تلاش سے آج اس رسالہ کو ایک کتاب کی صورت دیدی۔ اللہ میری
مساعی مشکور فرمائے۔

اس عقد فرید کے لئے میں نے یواقیت وجواہر کہاں کہاں سے
جمع کئے اور کون کون جبال علم اور منار ثقافت میرے راہنما بنے
ان کے اسماء گرامی اگلے صفحات میں ملیں گے۔

قدرے نازاں ہوں کہ مروجہ زبانوں اردو فارسی عربی انگریزی
وغیرہ وغیرہ میں سب سے پہلی یہی کوشش ہے جو اس طرح
منظم اور مرتب شکل میں سامنے ہے۔

اس میرے تفتیش اور تجسس کی زنجیر میں دو کڑیاں اور بھی میں جو بن چکیں ان کی صرف صفائی اور جلا باقی ہے۔ ایک تو محتسب اسلام اور دوسری فقیہہ شام دست بدعا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں انھیں پڑھے لکھوں اور عوام دولوں کے ہاتھوں میں جلد از جلد دیکھ لوں۔ آمین۔

اب رہ گیا کہ یہ موضوع میں نے کیوں اختیار کیا۔ اس کا جواب قارئین کرام اس کا مطالعہ کرکے خود دے لیں۔

حدیث کی بڑی بڑی مستند کتابوں میں لیث ابن سعدؒ کا جگہ جگہ نام نامی۔ تاریخوں اور تذکروں کی سطروں میں محل محل سے ان کا اسم گرامی دیکھنے میں آیا۔ کتب فقہ کے بطون اوراق میں انکے امتیازی اوصاف لکھے اور مابہ الفرق نقطے دے ہوئے ملے۔ یہ محدثین کے زمرے میں خاص صفات اور مزایا کے حامل اور خاص خاص فضائل کے علم بردار تھے۔ فقہا کی مجلسوں میں انکی رائے اور بات کی بڑی قدر اور قول کی عظمت رہی۔ یا للعجب یا للعار! ایسی شخصیت کی منظم اور مرتب سوانح سامنے نہ آئی اور ایسی ذات زاویہ خمول میں پڑی رہی مگر یہ سعادت میری قسمت کی تھی۔ اس لئے مجھے افتخار اور ناز بھی ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ۔۔۔ رفتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را ۔۔۔ کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

میں نے اس میں کچھ خاص خاص بحثیں ضمناً کیں ان اجری الا علی اللہ اور

کچھ علمی پہلو تبعاً سامنے کئے۔ جزم ویقین کے ساتھ کئے۔ اس لئے تاکہ
اردو داں مگر سمجھدار پبلک بھی ان باتوں سے فی الجملہ روشناس ہوجائے
بیٹے اس میں غلطیوں پر غلطیاں بھی کیں اور ضرور کی ہونگی مگر بالارادہ
ایسا نہیں ہوا۔ ناسمجھی اور کوتاہ فہمی سے ایسا ہوا ہوگا۔ قارئین کرام
مسامحت اور اغماض سے کام لیں۔ لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا
لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے اعوان اور انصار علما۔ اور میری حامی و مددگار کتابیں

صاحب کتاب	کتاب	تعارف
(۱) امام شافعی	کتاب الأم	محمد بن ادریس قریشی مشہور بہ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ آپ اتنے مشہور ہے کہ آپ کے لئے ادنیٰ تعارف کی بھی حاجت نہیں یہ کتاب بولاق مصر سے ۷ جلدوں پر شائع ہوئی ہے۔ ان کے حالات کے لئے ابن خلکان جلد ا صفحہ ۵۶۵ دیکھئے
(۲) قاضی ابو یوسف	کتاب الخراج	۔ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری المتوفی ۱۸۲ھ ہیں آپ نے یہ کتاب ہارون الرشید خلیفہ عباس کی فرمائش پر لکھی تھی ۱۳۰۲ھ میں مطبع بولاق مصر اس کے بعد یورپ میں فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ ۱۹۲۱ء میں دوبارہ طبع ہوئی یہ فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ قاضی صاحب کے حالات کیلئے وفیات الاعیان ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۴۰۰ دیکھئے۔
(۳) ابن ندیم	الفہرست	۔ امام ابو الفرج محمد بن اسحاق الندیم البغدادی المتوفی ۳۸۶ھ کی مشہور

صاحب کتاب	نام کتاب	تعارف
		کتاب ہے۔ یورپ میں پہلے جرمنی ترجمہ کے ساتھ پھر مصر میں خاص اہتمام سے شائع ہوئی۔ ابن ندیم کے حالات کے لئے معجم الادباء جلد ۶ صفحہ ۴۰۰ دیکھئے۔
(۴) خطیب بغدادی	تاریخ بغداد (مدینۃ السلام)	امام حافظ ابوبکر احمد بن علی المتوفی سنہ ۴۶۳ھ کی مشہور کتاب ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں مصر سے ۱۴ جلدوں میں شائع ہوئی۔ خطیب کے حالات کے لئے طبقات الشافعیہ تاج الدین سبکی جلد ۳ صفحہ ۳۲۴ دیکھئے۔
(۵) امام نووی	تہذیب الاسماء واللغات	ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی المتوفی سنہ ۶۷۶ھ کی کتاب ہے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں موجود ہے۔ امام نووی صحیح مسلم کے شارح ہونے کی حیثیت سے علمی دنیا میں بہت مشہور ہیں آپ کے حالات کیلئے مفتاح السعادت مؤلفہ طاش کبری زادہ جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ دیکھئے
(۶) ابن کثیر	البدایۃ والنہایۃ	الامام عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقی المتوفی سنہ ۷۷۴ھ کی کتاب ہے۔ یہ تاریخ کی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے

صاحب کتاب	کتاب	تعارف
		مصر سے ۱۴ جلدوں میں شائع ہوئی / ابن کثیر بحیثیت ایک مفسر زائد مشہور ہیں۔ آپ کے حالات کیلئے الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ حافظ ابن حجر عسقلانی دیکھئے
(۷) امام بزدوی	کشف الاسرار	فخر الاسلام علی بن محمد بن حسین البزدوی المتوفی ۴۸۲ھ یہ کتاب مصر میں چھپی آپ اصولیوں میں خاص طور پر ممتاز ہیں۔ ان کے حالات ابن خلکان میں دیکھئے۔
(۸) امام رازی	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ کی یہ مشہور کتاب ہے اس کا اصلی نام تفسیر مفاتیح الغیب ہے۔ یہ ۸ جلدوں میں آستانہ (قسطنطنیہ) سے شائع ہوئی ان کے حالات کیلئے ابن خلکان دیکھئے۔
(۹) امام ذہبی	تذکرۃ الحفاظ	امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ کی کتاب ہے یہ اپنے موضوع میں سب سے جامع سمجھی گئی۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد نے اسے ۴ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ ذہبی ناقد رجال محسوب ہوتے ہیں۔ آپ کے حالات کے لئے شذرات الذہب

صاحب کتاب	کتاب	تعارف
		فی اخبار من ذہب ابن عماد حنبلی جلد ۳ صفحہ ۲۹۵ دیکھئے۔
(۱۰) تاج الدین سبکی	طبقات الشافعیہ	قاضی القضاۃ امام تاج الدین السبکی المتوفی ۷۷۱ھ کی کتاب ہے۔ فن طبقات کی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ مصر سے ۶ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ایک نامور عالم اسلام تقی الدین سبکی معاصر شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے بیٹے ہیں۔ آپ کے حالات کیلئے جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین مولفہ آلوسی زادہ صفحہ ۱۶ دیکھئے
(۱۱) ملا علی قاری	الاثمار الجنیہ فی طبقات الحنفیہ	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی المعروف بہ ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کی تصنیف ہے۔ اس کا قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں موجود ہے۔ آپ ایک شارح مشکوۃ المصابیح کی حیثیت سے بہت مشہور ہیں۔ آپ کے حالات خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر جلد ۳۔ صفحہ ۱۸۵ میں دیکھئے
(۱۲) مقریزی	المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار	امام تقی الدین ابو العباس علی المقریزی المتوفی ۸۴۵ھ کی کتاب ہے یہ مصر کی سب سے

صاحب کتاب	کتاب	تعارف
		اہم تاریخ ہے سنہ ۱۲۷۰ھ میں مصر والوں نے اسے شائع کیا۔ مقریزی کے حالات حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ مولفہ جلال الدین سیوطی جلد ۱ صفحہ ۲۶۶ دیکھیے۔
(۱۳) علامہ سیوطی	حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ	امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی مؤلف تفسیر جلالین کی کتاب ہے مصر سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ان کے خود نوشت حالات کیلئے حسن المحاضرۃ جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ دیکھیے۔
(۱۴) ابن خلکان	وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان	قاضی القضاۃ شمس الدین ابوالعباس احمد البرمکی المعروف بہ ابن خلکان المتوفی سنہ ۶۸۱ھ کی مشہور تالیف ہے۔ پہلے یورپ اور مصر سے کئی بار شائع ہوئی اب مشہور عالم استاذ محی الدین عبدالحمید مصری نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ ابن خلکان کے حالات کیلئے فوات الوفیات مؤلفہ ابن شاکر کتبی جلد ۱ صفحہ ۵۵ دیکھیے۔
(۱۵) امام حافظ ابن حجر	الرحمۃ الغیثیہ بالترجمۃ اللیثیہ	شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری المتوفی سنہ ۸۵۲ھ کی کتاب ہے۔ اسے محمد منیر دمشقی نے اپنے مطبع منیریہ مصر سے شائع کیا

تعارف	کتاب	صاحب کتاب
ابن حجر کے حالات کے لئے حسن المحاضرہ جلد اوّل صفحہ ۱۷۰ دیکھئے۔		
امام سیف الدین ابوالحسن علی الآمدی المتوفی ۶۳۱ھ کی کتاب ہے۔ یہ اصول فقہ کی امہات کتب میں شمار ہوتی ہے۔ مصر سے ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی۔ ان کے حالات کیلئے وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۴۶۸ دیکھئے	الاحکام فی اصول الاحکام	(۱۶) امام آمدی
امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی المتوفی ۷۹۰ھ کی تصنیف ہے۔ یہ اصول فقہ کی اہم کتابوں میں گنی جاتی ہے اور مصر سے بڑے آب وتاب سے کئی جلدوں میں شائع ہوئی انکے حالات کے لئے طبقات المالکیہ صفحہ ۴۶ دیکھئے۔	الموافقات	(۱۷) امام شاطبی
امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی مشہور کتاب ہے۔ مصر سے شائع ہوئی۔ ان کے حالات کے لئے وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۵۸۶ دیکھئے	المستصفیٰ	(۱۸) امام غزالی
زین العابدین بن ابراہیم ابن نجیم المتوفی ۹۷۰ھ کی مشہور کتاب	الاشباہ والنظائر	(۱۹) علامہ ابن نجیم

صاحب کتاب	کتاب	تعارف
		ہے بر ۱۲۴۱ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی طرف سے شائع ہوئی۔ آپکے حالات کے لئے الفوائد البہیہ مولانا عبدالحیٔ صفحہ ۱۳۴ دیکھئے۔
(۲۰) حافظ ابن قیم	اعلام الموقعین عن رب العالمین	آپ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے مشہور اور نامور شاگرد اور جانشین ہیں۔ آپ کا پورا نام امام شمس الدین ابو عبداللہ محمد الدمشقی المعروف بہ ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد ہے۔ مصر سے ۳ جلدوں پر شائع ہوئی ہے۔ آپ کے حالات جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین مؤلفہ سید نعمان آلوسی المتوفی ۱۳۱۷ھ میں دیکھئے
(۲۱) مولانا عبدالحیٔ	الفوائد البہیہ فی طبقات الحنفیہ	مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرنگی محلی کی تالیف ہے۔ علاوہ ہندوستان کے مصر میں بھی بڑے اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ آپ کے حالات کے لئے "تذکرہ علماء فرنگی محل" دیکھئے۔
(۲۲) نواب صدیق حسن خاں	اتحاف النبلاء المتقین باثار الفقہاء والمحدثین	نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی کتاب ہے۔ رجال اور تاریخ کے ایک بڑے ذخیرہ کو کھنگال

صاحب کتاب	کتاب	تعارف
(٢٣) ڈاکٹر احمد امین	ضحیٰ الاسلام	یہ مصر کے مشہور عالم اور مورخ گزرے ہیں۔ مصنف نے اپنی پہلی کتاب فجر الاسلام کے بعد اسے لکھا اس کی ٣ جلدیں ہیں یہ عہد عباسیہ کی ابتدائی ٢ صدیوں کی علمی اور ثقافتی تاریخ ہے ان کے حالات کے لئے ان کی خود نوشت سوانح "حیاتی" دیکھئے۔

مذکورہ بالا ماخذ اور مصادر کے علاوہ جنھیں باستثنائے بعض امہات الکتب کہا جائے اور جنسے میں نے خاصی مدد لی مندرجہ ذیل کتابوں سے بھی یہنے کہیں کہیں استفادے کئے۔ تاریخ التشریع الاسلامی علامہ خضری۔ تاریخ الفقہ ہجوی۔ محاسن المساعی فی مناقب اوزاعی۔ انتقاء ابن عبد اللہ شرح المنار فتح القدیر۔ شامی درمختار۔ فتاویٰ بزازیہ۔ فتاویٰ عالمگیریہ۔ بلوغ المرام۔ شرح مجلۃ الاحکام۔ ہدایہ۔ حادی الارواح ابن قیم المدخل۔ رسالہ شافعی۔ جامع صغیر امام محمد۔ کتاب الحقوق المدنیۃ۔ رسائل ابن عابدین کتاب مالک محمد ابو زہرہ۔ حصول المامول۔ فتح الباری شرح بخاری فجر الاسلام۔ عینی شرح بخاری۔ فیض الباری۔ بذل المجہود شرح ابی ابی داؤد عون المعبود۔ عین الہدایہ۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کی ان گرامی قدر ہستیوں میں جنھوں نے سلامتی فکر صحت تدبر
اور خلوص نیتی کے ساتھ قوانین دین کے افہام اور تفہیم میں اپنی عمروں
کے بڑے حصے صرف کر کے داد تحسین اور خراج عقیدت کے طغرائے
امتیاز حاصل کئے اور تشریع اسلامی کے ایک علم بردار بنکر دنیا سے
رخصت ہوئے ایک لیث بن سعد رحمۃ اللہ کی ہستی بھی ہوئی ہے۔ یہ
محدث بھی تھے عالم بھی تھے اور تفقہ میں ان کا وہی منصب تھا جو
ابو حنیفہ حسن بصری۔ امام اوزاعی۔ امام مالک سفیان ثوری۔ سفیان بن
عیینہ۔ امام شافعی۔ اسحٰق بن راہویہ۔ احمد بن حنبل۔ ابن جریر طبری۔ ابو ثور
اور داؤد ظاہری جیسے ائمہ اسلام کا ہوا ہے۔

ان میں سے امام مالک ابو حنیفہ احمد بن حنبل اور شافعی رحمہم اللہ کو
چھوڑ کر باقی کے نہ پہچاننے والے رہے نہ ان کے نقش قدم پر چلنے
والے نہ ان کے طریقوں اور روشوں کو برتنے والے نہ متبعین و
مقلدین نہ ان کی فقہ کی تدوین کی نوبت آئی اور نہ ان کے اصول
کی ترتیب دی گئی اور نہ ان کے مسائل کی تبویب ہوئی نہ اپنے طرق
اجتہاد کو آج کوئی پہچاننے والا ہے۔ اور نہ اسلوب بیان کو اجاگر کرنیوالا

نہ ان کے تلامذہ کا شہرہ ہے۔ اور نہ ان کے خوان علم و فقہ کے استفادہ کرنے والوں کا چرچہ۔ نہ عام مکاتب اسلامیہ میں ان کے کتب اور صحیفوں کا وجود اور نہ ان کے رسائل اور مقالات تک زید عمر بکر جیسے عامیوں کی رسائی۔ نہ ان کے پیرودن اور شاگردوں کی کڑیاں اتنی کہ ان کے جوڑ جوڑ معین کر کے تراجم الحنفیہ طبقات الحنابلہ۔ طبقات اشوافع جیسی کتابیں لکھی جائیں۔ اور پھر یہ کہ الا ماشاء اللہ ارباب ثروت اور اقتدار نے بھی مذہب مختار کے حیثیت سے ان مذاہب کو اختیار نہیں کیا۔ ترکوں کے ذی حشمت عنصر نے متواتر حنفی مذہب اپنایا۔ اور بلاد شرقیہ میں محمد بن سبگیں اور نظام الملک اور مصر میں صلاح الدین بن یوسف ابن ایوب نے شافعی مذہب کو اپنا مسلک بنالیا۔ فقہی مواضیع پر خود ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قلم سے اسکی تدوین پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی دوسرے موضوع پر صرف ایک مکتوب کا پتہ چلتا ہے جو انھوں نے بُستی کو لکھا یا۔ کتاب العالم دالمتعلم یا کتاب[1] الرد علی القدریہ ہاں ان کے شاگردوں اور شاگردوں نے البتہ ان کے اقوال اور آرا کو منضبط کر لیا۔ یہ عام طور پر مشہور ہے اور ابن ندیم نے بھی لکھا ہے کہ فقہ اکبر ان کی کتاب ہے لیکن مصریین نے اس بارے میں لفظ فیہ لکھا ہے۔ ہاں اس موضوع پر چند اوراق لکھنا ان سے ضرور ثابت ہے۔ اس بنیاد پر اساسی طور پر ان کی طرف انتساب صحیح تسلیم کر لیا

---

[1] ابن ندیم صفحہ ۲۰۲

جا سکتا ہے جس پر بعض الناس کے ہاتھوں اوقات مختلفہ میں اضافات ہوتے رہے اور یہی قرین قیاس ہے اس لئے کہ اشعریہ کے موافق اور مخالف آرا کا اس میں اظہار خود اس کی دلیل ہے کہ یہ رائیں امام ابو حنیفہ کی نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ امام اشعری امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دو صدیوں بعد منصہ شہود پر آئے یہ عقائد میں محسوب ہو سکتی ہے اور اساسی طور پر ایک مکتوب اور رسالہ سے زائد حیثیت نہیں رکھتی یہ کتاب مختلف شروح کے ساتھ ہندوستان میں طبع بھی ہو چکی ہے ان کے مسائل اور آرا کی ترتیب اور توسیع میں ان کے تلامذہ نے خوب خوب کاوشیں کی ہیں ۔ لیث بن سعد گو مصر میں پلے بڑھے اور ایک مدت تک حدیث و فقہ اسلامی کے مرجع اور ماوا بنے رہے لیکن ان کو امام ابو حنیفہ کے قاضی ابو یوسف ۔ یعقوب بن ابراہیم انصاری جیسے شاگرد نہ ملے جو خلیفہ مہدی ہادی اور ہارون الرشید کے عہدوں میں تدریجاً ایک معمولی قاضی بننے کے بعد قاضی القضاۃ تک بن گئے ۔ اور علمی نظریات، فکری غوامض، علمی مضائق اصولی مرافعات فروعی مشکلات تجارتی اور بین الاقوامی معاملات حضارتی اجتماعی اقتصادی گتھیوں کے سلجھانے میں حنفی نقاط نظر سے دوچار ہوتے رہے ۔ خراج عشور صدقات غنائم ضرائب ٹیکس جزیہ بری اور بحری محاصل اور داخل آب پاشی کنائس معابد کی اسلامی نقاط نظر سے پیچیدگیاں دور کرتے اور ان مسائل کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کے ذریعہ فقہ حنفی کو شہروں شہروں اور

اور قریوں قریوں وسعت دیتے رہے۔ کتاب الصلوۃ کتاب الصوم کتاب الفرائض۔ کتاب البیوع اور کتاب الغصب والاستبراء۔ کتاب الرد علیٰ مالک بن انس اور بقول ابن ندیم[۱] کتاب الجوامع کتاب الوکالت وغیرہ وغیرہ اور انھوں نے نام کو تو کتاب الخراج لکھی مگر اس میں حکومت اور دولت کا کون سا مالیتی اہم اور غیر اہم پہلو تھا جس کو روشن کر کے نہ رکھ دیا ہو۔ کتاب الخراج پر علوم کے ایک بحر ذخار کا اطلاق کریں تو بیان واقعہ اور معارف کا ایک طویل اور عریض سمندر کہیں تو ایک حقیقت جس میں مختلف بلاد و امصار کے مشائخ کے اقوال کوفی مدنی شیوخ کی آراء اطراف و اکناف کے محدثین اور ان کے ساتھ اپنے استاد ابوحنیفہ اور مالک بن انس اور اپنے ہموطن لیث بن سعد وغیرہ وغیرہ کی مرویات اور خلافیات اور انہیں محاکمے کیا کچھ نہیں عقلی اور نظری جگہ جگہ مینا کاریاں اسپر مستزاد اور ایک رسالہ اصول فقہ میں بھی لکھا[۲] لیکن وہ ناپید ہے فقیہ مصر لیث بن سعد کو قاضی ابو یوسف جیسے شاگرد تو نہیں ملے ہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مقربوں میں محمد بن حسن بن فرقد شیبانی جیسی بالاشخصیت بھی تقدیر سے لکھی نہ تھی، جنھوں نے پہلے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ ہی سے عراق کا طریقۂ استنباط سیکھا لیکن ابھی سن ہی کم تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا اور قاضی ابو یوسف کی زندگی ہی میں اہل الرائے کا ماوا ملجا بن گئے۔

ظاہر و باطن آراستہ پیراستہ گفتگو میں فصاحت غور و فکر میں تعمق ہارون رشید

---

[۱] فہرست ابن ندیم صفحہ ۲۰۳ - [۲] تاریخ التشریع الاسلامی علامہ خضری

نے زقہ کا قاضی انھیں مقرر کردیا۔ لیکن کہاں قاضی ابو یوسف جیسی رواداری اور مدارات اور کہاں ان میں خودداری اور اپنا رکھ رکھاؤ۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک بار ہارون رشید کا ان کے پاس سے گذر ہوا تکریماً سب اٹھ بیٹھے سوائے محمد بن حسن کے جواب طلب ہوا تو جواب دیا۔

کرھت ان اخرج من الطبقۃ التی	جس زمرہ میں آپ نے مجھکو رکھ دیا ہے میں اس
جعلتنی فیھا انک اھلتنی للعلم	سے نکلنا برا سمجھا آپ نے مجھکو اہل علم میں رکھا
فکرھت ان اخرج الی طبقۃ الخدمۃ	مجھے اچھا نہ لگا کہ میں خادموں کے طبقہ میں
	ہو جاؤں (خطیب بغدادی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)

یہ محمد بن حسن فقہ حنفی کی ترویج میں کئی پہلوؤں سے ممد و معاون بنے فقہ مدینہ سے باخبر تھے۔ اور محدثین کی متداولہ احادیث ان کی کانوں میں پڑ چکی تھیں فقہ ابو حنیفہ پر ان ذرائع سے چار چاند لگا دیئے۔ اصول سے نکال نکال فروعات کے انبار لگائے مؤطا۔ مبسوط۔ زیادات۔ جامع صغیر جامع کبیر۔ سیر صغیر۔ سیر کبیر جیسی کتب ترتیب دیں اور آج ائمہ حنفیہ اپنی کتابوں میں اس مواد کا ظاہر الروایۃ کی اصطلاح سے جگہ جگہ تذکرہ کرتے ہیں۔ پھر ان کے حواشی ان کے شروح نے کیا کیا کچھ فقہ حنفی کی نشر و اشاعت میں مدد نہیں کی۔ حاکم شہید نے کتاب الکافی نام سے ایک ذخیرہ جمع کیا اور اس میں یہ سب کتابیں لے آئے۔ امام سرخسی نے مبسوط کے نام سے اس کی شرح لکھی جو آج تیس جلدوں میں اہل علم کے سامنے ہے۔ قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج کے حاشیہ پر یوں ہی

جامع صغیر لکھی ہوئی ملتی ہے۔ ابن ندیم[1] کے بیان کے مطابق اصول فقہ میں بھی ایک رسالہ لکھا لیکن آج اس کے وجود کا پتہ نہیں چلتا غرضکہ ان کے واسطہ سے مذہب ابو حنیفہ کی خوب ترویج ہوئی کہتے ہیں کہ ۹۹[2] کتابوں کے مصنف ہوئے ہیں اور سب کا موضوع دین اور مذہب ہی ہے۔

ان ہی مشہور ہستیوں میں جیسی لیث بن سعد کو میسر نہ آئیں ایک زفر بن ہذیل ابن قیس کی ہستی بھی ہے۔ جن پر شروع شروع تو احادیث کا غلبہ رہا اور اہل حدیث میں شمار ہوتے رہے پھر مسلک قیاس اور رائے کے حمایتوں میں شامل ہو گئے۔ ایسے کہ لوگوں کی زبانوں اور قلموں سے یہ نکلنے لگا کہ احناف میں قاضی ابو یوسف سب سے زائد احادیث پر عامل اور امام محمد تفریعات موجودہ اور مظنونہ کے پیشوا اور امام زفر بہت زائد قیاس سے کام لینے والوں کے مقدام ہوئے ہیں۔

کان[3] ابوحنیفہ یبجلہ ویعظمہ ابوحنیفہ رح انکی تعظیم اور تکریم کرتے تھے اور فرماتے تھے ویقول هو اقیس اصحابی کہ میرے اصحاب میں یہ سب سے زائد قیاس کو دخل دینے والے ہیں۔

چنانچہ امام شافعی کے شیخ امام مزنی کے پاس ایک شخص نے آکے اہل عراق کے متعلق جو جو سوالات کئے اور آپ نے جو جو جوابات دیئے

---

[1] ابن ندیم صفحہ ۲۰۴ [2] الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ صفحہ ۱۶۳ [3] الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ صفحہ ۷۵۔

وہ یہ کہتے ۔

ماتقول فی ابی حنیفۃ ؟	ابو حنیفہ کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے ؟
قال (المزنی) سیدھم ؟	مزنی نے جواب دیا یہ ان سب کے پیشوا ہوئے ہیں ؟
قال فابی یوسف ؟	اس نے پوچھا کہ ابو یوسف کیسے تھے ؟
قال (المزنی) ابتعھم للحدیثا؟	مزنی نے جواب دیا ان سب میں زائد تبع احادیث
قال فمحمد بن الحسن ؟	اس نے کہا اچھا پھر محمد بن حسن کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں ؟
قال (المزنی) اکثرھم تفریعا ؟	مزنی نے کہا تفریعات پیش کرنے میں انکا حصہ سب سے زائد ہے ؟
قال فزفر ؟	اس نے کہا اچھا زفر ؟
قال (المزنی) احدھم قیاسا؟ [1]	تو مزنی نے کہا بڑے قیاس تھے ؟

محدث دور اں فقیہ مصر لیث بن سعد رحمۃ اللہ ہی پر کیا موقوف زمرہ صحابہ اور تابعین ہیں وہ وہ ائمہ گذرے ہیں جن کی آرا اور طرق استنباط مستقبل میں بدرقہ راہ بنے ۔ لیکن ان کی بلند پائگی تفقہ میں اہمیت اور استنباط کے اصول کی تدوین ان کے تلامذہ کے ذریعہ ہوئی اور نصوص کہ لیث کے یہاں معدوم رہے ۔ پھر حنفی ۔ مالکی ۔ شافعی ۔ حنبلی کی طرح لیثی کا پھیلاؤ ہوتا تو کیسے اور عوام یہ انتساب کرتے تو کس طرح ورنہ اہمیت تو اتنی ہے کہ مصرین امام مالک سے بھی ان کو ترجیح دیتے تھے ۔

قال ابو محمد بن ابی حاتم سمعت ابوزرعہ سے ابو محمد بن ابی حاتم نے سنکے

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی جلد ۲ صفحہ ۱۷۶

ابا زرعۃ یقول سمعت یحیی بن	بیان کیا کہ انھوں نے یحیی بن بکیر کو کہتے سنا کہ
بکیر یقول اللیث افقہ من	لیث مالک سے فقہ میں بڑھ کر تھے لیکن
مالک ولکن کانت الحظوۃ لمالک[1]	قسمت نے امام مالک کا ساتھ دیا۔

حنفی۔ شافعی۔ حنبلی۔ مالکی تو اب بھی اطراف واقطار عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیثی کہاں ہیں ان کے مجموعہ فتاوی اور احادیث کا وجود نہیں ان کی فقہ امام مالک کی موطا کی سی شکل میں بھی موجود نہیں جو اشہب بن عبدالعزیز عبداللہ بن وہب عبدالرحمن بن قاسم وغیرہ کے واسطوں سے مصر میں۔ اسد بن فرات کے ذریعہ قیروان میں اور یحیی بن یحیی لیثی کے ذریعہ اندلس اور محمد بن حسن کے ذریعہ عراق میں پہنچی اور چلپی کہتے ہیں کہ ترتیب ابواب کے اختلاف کے ساتھ اسکے بیس یا تیس نسخے عالم وجود میں آئے[2]۔ ان میں سے یحیی بن یحیی لیثی کے روایت کردہ نسخہ کے مطابق زرقانی نے شرح بھی لکھی ہے یحیی بن یحیی نے پہلے زیاد بن عبدالرحمن سے موطا سنی پھر دوبارہ براہ راست امام مالک سے۔ اندلس کے سرزمین میں لوگ استفتا ان سے بھی کرتے تھے۔

اور ایک وقت وہ بھی آیا کہ یہ اس باب پر مرجع خلائق بن گئے اور یہاں امام مالک کے مذہب کے پھیلانے میں بڑے ممد و معاون بنے علمی ریاست کی باگ ان کے ہی ہاتھ میں تھی۔ اسی طرح اشہب بن عبدالعزیز تھے جنھوں نے گو لیث بن سعد اور امام مالک دونوں

---

[1] رحمۃ غیثیہ صفحہ ۲۳ [2] کشف الظنون جلد دوم صفحہ ۵۷۲ زرقانی ۱/۷

میں سے روایت حدیث کی لیکن فقہ میں امام مالک کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کے متعلق امام شافعی فرماتے ہیں کہ اشہب سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔" اسد بن فرات نیشاپور کے رہنے والے تھے پہلے انھوں نے علی بن زیاد ایک مشہور محدث سے فقہ حاصل کی پھر امام مالک سے موطا خود سنی۔ بیان کرتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف نے موطا انھیں سے پڑھی تھی۔ رہ گئے عبد اللہ بن وہب انھوں نے بھی پڑھنے کو فقہ لیث بن سعد اور امام مالک سے پڑھی لیکن امام مالک کے اقرب تلامذہ میں سے شمار ہوتے رہے۔ اس حد تک کہ امام مالک ان کو ان خطوط میں جو انھوں نے لکھے "فقیہ مصر" کے لقب سے مخاطب کرتے رہے۔ اسی طرح کتنے ہی اور تلامذۂ مالک ہیں جن کے ذریعہ انکے مذہب کو فروغ ہوا اور مقلدین کی تعداد میں اضافے ہوتے رہے یہ اور ان کے علاوہ اکابر علما گذرے ہیں جن کے ذریعوں امام مالک کے مذہب کی اشاعت ہوئی۔ مگر یہ بات لیث بن سعد کو حاصل نہ ہوئی

عام طور پر ویسے تو امام مالک سے موطا ہی منسوب ہے لیکن کتاب "مدونہ" کو بھی کسی مرتبہ پر ان کی طرف منسوب کر دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس کتاب کے مرتب[1] وہی سابق الذکر اسد بن الفرات نیشاپوری ہیں۔ اس میں انھوں نے مختلف مسائل میں امام مالک کے فتاوی جمع کر دئے ہیں۔ اور فقہ احناف اور فقہ مالک کو ملانے کی کوشش کی ہے

---

[1] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۱۳

امام ابو یوسف اور محمد سے حنفی اسلوب سے مستنبط شدہ مسائل سنے
پھر اصحاب مالک سے ان مسائل میں رائے لی انھوں نے بے کم و
کاست امام مالک کی مصرحہ آرا کے مطابق رائیں دیں یا امام مالک
کے اسلوب اور طریقہ استنباط کو ملحوظ خاطر رکھ کے۔ یہ مسائل دین،
قرات کے ہاتھوں غیر مبوب اور غیر مرتب رہے لیکن سحنون فقیہ
مغربی مشہور عالم نے نظر ثانی اور قدرے اصلاح کے بعد مسائل کی تبویب
اور ترتیب دے دی پھر یہ کتاب دور دور تک پہنچی اور مذہب کے
نشر و اشاعت میں مساعد اور معاون ہوئی۔

مصر کے علماء میں لیث بن سعد اور امام محمد بن ادریس شافعی
تھے۔ لیکن دوسرے کبار ائمہ کو جو بات حاصل نہ ہوئی وہ امام شافعی
کو حاصل ہو گئی۔ متصل سفر اختیار کرتے رہے اور جہاں جہاں بے
پہنچتے ان کے مذہب کی اشاعت خود انھیں سے ہو جاتی انہوں
مختلف مباحث پر کتابیں لکھیں اور خود بنفس خود اپنے
شاگردوں کو املا کرا دیں۔ ابھی مکہ میں ہیں ابھی مدینہ میں ابھی بغداد
اور پھر ابھی مصر میں۔ شیریں گفتاری حسن بیان۔ ذکاوت مہارت
استنباط اور قوت تفکیر میں مشار الیہ تھے پہلے پہلے ابو سفیان
بن عیینہ سے حدیثیں سنیں امام مالک کے مقلد رہے اور اہل حجاز
کی احادیث کا سلسلہ انھیں دونوں پر منتہی ہوتا ہے۔ پھر امام محمد بن حسن

سلہ تاریخ التشریع الاسلامی للخضری

شیبانی اور دوسرے اصحاب ابوحنیفہ سے مل کے خیالات میں انقلاب آیا اور ایک خاص مذہب کے مؤسس بن کے مشہور ہوگئے جو اصحاب حدیث اور اصحاب رائے اور قیاس کے مسلک کے بین بین تھا۔

استنباط مسائل کے وہ قوانین وضوابط جو اصول فقہ کے عنوان سے اصطلاحاً بعد کو موسوم ہوئے انہیں باقاعدگی کے ساتھ مرتب کرنے کا سہرا انھیں کے سر ہے۔ مبصرین نے ان کو مجدد تسلیم کیا ہے انھوں نے اسے بغداد میں لکھا اور مصر آنے کے بعد اس پر نظر ثانی کی اگرچہ ازمنہ مابعد میں اس میں اضافات اور وقتاً فوقتاً ایڈیشن پر ایڈیشن ہوتے رہے۔ اور بقول امام رازی۔ امام شافعی کو اصول فقہ سے وہی نسبت ہے جو ارسطاطالیس کو منطق اور خلیل ابن احمد کو عروض سے ارسطاطالیس اور خلیل سے قبل علما اور عقلا کی طبائع سلیمہ ان امور میں رہنمائی کرتی رہیں۔ اور شعرا اپنی اپنی طبع کی موزونیت سے موزوں اشعار کہتے رہے۔ لیکن مقاصد اور مصالح پر قانون اور ضابطہ کی نقاط نظر سے مطلع نہ ہونے پاتے تھے۔ اسی طرح امام شافعی نے یہ رسالہ مرتب کرکے معارضات اور ترجیحات کے اصول کلیہ مرتب شکل میں سامنے رکھ دیئے۔ اسکے علاوہ ان کی کتاب الام نے نشر و اشاعت کے صیغہ میں ان کی مذہب کی کیا کچھ مساعدت نہ کی۔ اگرچہ دور حاضر میں یہ مسئلہ موضوع بن گیا ہے کہ آیا کتاب الام کو امام شافعی کی کتاب کہا جائے یا یوسف

بن یحییٰ بویطی ان کے شاگرد کی جسکو آخرالذکر نے اپنے تعلیقات اور اضافوں کے ساتھ سامنے رکھدیا ہے۔ گو بنیادی طور پر ان کو امام شافعی ہی نے املا کرایا تھا۔ مصریوں نے امام شافعی کے مسلک کو قدیم اور جدید دو مسلکوں پر تقسیم کردیا ہے۔ قدیم وہ ہے جس کا عراق اور بغداد کے دوران قیام میں اظہار ہوا اور جدید وہ جو لیث بن سعد کی مرویہ احادیث صحیحہ ان کے تلامذہ سے مصر میں سن کے قائم کیا۔

صرف بلاغت قوت اور فصاحت ایجاز دقت نظر کے کتاب الام ہی میں مظاہرے نہیں اس میں جدلیات طرق استدلال اور اچھوتے اسالیب استنباط کی نمود بھی ہے۔ سابق الذکر اصول الفقہ کے رسالہ کے علاوہ محل محل سے اس میں بھی فقہی اصول زیر بحث آگئے ہیں۔ کہیں اہل حدیث[۱] کا رد ہے اور کہیں استحسان کے حامیوں کا ابطال[۲]۔ بہرحال کتاب الام میں جو کچھ ہے وہ امام شافعی کا ہے۔ یا جو کچھ ہے وہ بویطی کا دونوں اقوال صحیح نہیں بلکہ اکثر امام شافعی کا ہے اور اقل بویطی کا۔

امام شافعی کے تلامذہ میں جو اعلم اور افقہ کہے جائیں اور جنہوں نے ان کے مسلک کے نشر و اشاعت میں غیر معمولی مدد کی وہ بویطی، مزنی، ربیع، مرادی وغیرہ وغیرہ ہیں۔

---

[۱] کتاب الام جلد ۷ صفحہ ۲۵۰ [۲] ایضاً صفحہ ۲۶۷

یوسف ابن یحییٰ بویطی امام شافعی کے مصری تلامذہ میں سب سے بڑے تھے انھوں نے امام شافعی سے فقہ حاصل کی۔ امام شافعی کے کلام سے کچھ نہ کچھ اخذ کرکے آخر میں ایک مجموعہ تیار کیا جس کا نام المختصر رکھا۔ امام شافعی کے مسلک کے مطابق درس دیتے اور ملک ملک میں آپ کے علوم کی اشاعت کرتے رہتے۔ پھر کلام اللہ غیر مخلوق کے عقیدہ میں انھوں نے قید و بند کی مشقتیں بھی جھیلیں۔ اسی طرح مزنی نے امام شافعی سے مصر آنے کے بعد فقہ کی تعلیم حاصل کی چنانچہ امام شافعی کا یہ مقولہ ہے کہ

مزنی میرے مذہب کا حامی ہے[1]

جن کتابوں پر امام شافعی کے مذہب کا دارومدار ہے وہ بیشتر انہیں کی روایت کردہ ہیں۔ خراسان۔ عراق اور شام میں انہیں کے واسطے سے مذہب شافعی کی اشاعت ہوئی مناظرہ اور جدل میں ید طولی رکھتے تھے۔ اور گو انھوں نے امام شافعی کے بعض آرا سے مخالفت بھی کی اور لیس ھذا عندی بشیٔ[2] کہکے ریمارک بھی کیا۔ تاہم بہت سی کتابیں اس مسلک پر لکھیں ان میں سے ایک کتاب الام کے حاشیہ پر چڑھی ہوئی ہے۔ اسی طرح ربیع بن سلیمان بن جبار مرادی نے بھی امام شافعی سے روایات کی ہیں اور اپنی روایات میں بہت ہی ثقہ اور مستند سمجھے جاتے ہیں سب ان کی اور دوسرے تلامذہ کے

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی خضری۔ [2] طبقات الشافعیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۳

روایات میں تناقض ہو تو ان کی بات مرجح سمجھی جاتی اطراف ملک سے لوگ ان کی خدمت میں آتے اور شافعی مسلک کا استفادہ کر کے اطراف و جوانب میں پھیلاتے رہے۔ ان کی تصنیفات کے ذریعہ مسلک شافعی کے منتشر ہونے میں بڑی مدد ملی۔ صدوق اور ثقہ تھے اگر ان کا اور مزنی کا کسی روایات میں اختلاف ہوتا تو ان کی روایت مرجح سمجھی جاتی۔ آج اس عہد میں کتاب الام کا جو مطبوعہ نسخہ ہے وہ انھیں کے روایت کے مطابق ہے۔ تلامذۂ امام مالک کی طرح ان لوگوں نے امام شافعی سے مسائل میں شاذ و نادر ہی اختلاف کیا ہے۔ کسی مبصر کا کہنا ہے "کان البویطی افقہ والمزنی افصح ابن عبد الحکم اکثرھم (سبیتہ) الربیع ادوی وکل فضل"

روایت حدیث میں لیث بن سعد کا گو پایہ بہت بلند ہے اور طبقات المحدثین میں علماء نے ان کو بڑا منصب دیا ہے۔ واجمع العلماء علی جلالتہ و دیانتہ وعلو مرتبتہ فی الحدیث[1]۔ لیکن ان لوگوں نے اتنا نہیں جانا جتنا کہ امام احمد بن حنبل بن ہلال الشیبانی کو۔ انکی فقہ کی ترویج بھی خاصی ہوئی۔ اور حنبلی مذہب کے متبعین آج بھی موجود ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ میں بغداد سے نکلا تو وہاں احمد بن حنبل سے زائد فضل عالم اور افضل فقیہ کسی شخص کو نہیں چھوڑا اور انھوں نے احادیث کے لئے کہاں کہاں سفر نہیں کئے۔ بغداد سے کبھی

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات محی الدین نووی قلمی صفحہ ۵۲

کوفہ بصرہ کبھی مکہ مدینہ اور کبھی شام اور یمن وغیرہ وغیرہ ان کے کبار محدثین ہونے میں تو دو رائیں نہیں لیکن تعجب ہے ابن جریر طبری وغیرہ نے ان کے فقیہ ہونے میں کلام کیا ہے اور حنابلہ کے غیظ و غضب کے خلاف تھے۔ ابن قتیبہ نے "معارف" میں ان کا شمار فقہا میں نہیں کیا نہ مقدسی نے۔ اور نہ ابن عبد اللہ نے اپنی کتاب الانتقاء میں یہ سب غالباً اس وجہ سے کہ قیاس اجتہاد رائے استحسان تعامل وغیرہا کے حدیث کے سامنے ان کے یہاں وہ چرچے نہیں جو دوسروں کے یہاں تھے۔ حتیٰ کہ قیاس کے سامنے مرسل اور ضعیف احادیث کو بھی ترجیح[۵۱] دیتے تھے۔ احمد بن حنبل نے خاص کر فقہ میں کوئی کتاب بھی نہیں لکھی لیکن مسائل فقہیہ میں ان کے تلامذہ اور متبعین نے تدوین اور تبویب میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس طرح فقہ حنبل میں چار چاند لگے اور ایک مذہب شمار ہونے لگا اور حنبلی فقہ کے مقلدین پیدا ہوگئے۔ ان کی جمع کردہ احادیث کا مجموعہ جو چالیس ہزار پر مشتمل ہے مسند ابن حنبل کے نام سے مشہور ہے جس کو ان کے بیٹے عبد اللہ نے اسے یاد کرکے پھیلا دیا۔ ان کے تلامذہ میں جنھیں ان کی فقہ کی نشر و اشاعت میں مدد ملی ایک ابو بکر احمد بن محمد بن ہانی المعروف بالاثرم ہیں۔ انھوں نے کتاب السنن نام سے فقہ میں کتاب لکھی جس کے مسائل امام احمد حنبل کی فقہ کے

---

[۵۱] تاریخ الفقہ حجوی جلد ۳ صفحہ ۲۶

بالکل موافق ہے اور سنت میں احادیث بھی پیش کی ہیں۔ دوسرے اسحاق بن ابراہیم المعروف بہ ابن راہویہ مروزی ہیں انھوں نے بھی کتاب السنن فقہ میں اسی مذہب کے مطابق لکھی احمد بن محمد بن حجاج مروزی نے بھی یہی کیا۔ یہ وہ کبار فقہا ہیں جن کے شاگرد اور تلامذہ نے اپنے اساتذہ کی فقہ کی تدوین کی اور اس کے نشر و تبلیغ میں مساعد ہوئے بالآخر ان کی وجہ سے ان کے متبعین کی تعداد اور مقلدین کے شمار میں اضافہ ہوتا رہا۔ مگر لیث بن سعد کو یہ کچھ حاصل نہ ہوا اور نتیجتاً ان کا مذہب اور مسلک مندرس اور فنا ہو کے رہ گیا۔ حنبلی شافعی حنفی مالکی تو ہر عہد میں رہے۔ لیکن لیثی نہ سنے نہ دیکھے ہاں ان کے اس صفات امامت کے معلومات مرتبہ شناسوں کے وساطت سے البتہ حاصل ہو گئے چنانچہ ابو عبداللہ بوشنجی نے فرمایا۔

سمعت یحیی بن بکیر یقول اخبرنی سعد عن سعید بن ابی ایوب انہ کان یقول لو ان مالکا واللیث اجتمعا کان مالک عند اللیث ابکم الخ[۵۱] — میں نے یحیی بن بکیر کو کہتے سنا کہ مجھے سعد بن ایوب نے بتایا کہ اگر مالک اور لیث ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ان کے سامنے مالک گونگے معلوم ہوں گے۔

حدثنا حرملۃ بن یحیی سمعت الشافعی اللیث انفع الاثر منا مالک الخ — حرملہ بن یحیی نے امام شافعی سے سنکر بیان کیا کہ لیث سے مالک کے مقابلہ میں حدیثی نفع زیادہ پہنچا

---

۵۱ الرحمۃ الغیثیہ ابن حجر عسقلانی صفحہ ۲۴۳

وفی روایة عن الشافعی ضیعہ قومہ — اور ایک روایت میں یہ ہے کہ امام شافعی نے فرمایا کہ انکی قوم نے انکو برباد کر دیا۔

وفی اخری ضیعہ اصحابہ[1] — اور دوسری روایت میں ہے انکے اصحاب نے ان کو مٹا دیا۔

قال ابن ابی مریم ما رایت احدا من خلق اللہ افضل من لیث وما کانت خصلة یتقرب بہا الی اللہ الا کانت تلک الخصلة فی اللیث[2] — ابن ابی مریم کے سامنے اللہ کی مخلوق میں لیث سے افضل کسی کو نہیں دیکھا اور کوئی ایسی خصلت جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن سکے ایسی نہ تھی جو لیث میں نہ ہو

قال ابو یعلی الخلیلی کان امام وقتہ بلا مدافعة — ابو یعلی خلیلی نے فرمایا کہ لیث بلا خوف تردید اپنے وقت کے امام تھے۔

وقال ابن حبان کان من سادات اہل زمانہ فقہا وعلما وحفظا وکرما — لیث اپنے زمانے کے سرداروں میں سے تھے کیا فقہ کیا علم کیا حافظہ اور کیا فضل و کرم کی حیثیتوں سے۔

قال النووی فی تہذیبہ اجمعوا علی جلالتہ وامانتہ وعلو مرتبتہ فی الفقہ والحدیث — امام نووی نے تہذیب میں لکھا کہ لیث کی جلالت قدر امانت اور علو مراتب کے اعتبار سے خواہ فقہ میں ہو یا حدیث میں، علما کا اجماع ہو گیا ہے

فقیہ مصر لیث بن سعد کا وطن فسطاط (مصر) سے نکل کے کوئی چار میل

---

[1] ابن حجر [2] البدایة والنہایة ابن کثیر صفحہ ۷۴ جلد ۱ [3] حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۱۲۲ جلد ۱ ایضا البدایة والنہایة ابن کثیر صفحہ ۱۶۶ جلد ۱۰

یہ ایک گاؤں قرقشندہ نام ہے۔

ان کی ولادت ۹۳ھ یا ۹۴ھ ہجری میں ہوئی ابو صالح کاتب لیث کے بیان کے مطابق جب خلیفہ عمر بن عبد العزیز کی وفات ہوئی تو ان کی عمر اسوقت سات سال کی تھی۔ امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ آپ کی ولادت ۱۴ شعبان ۹۴ھ کو ہوئی تھی ابن حبان کی روایت سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ انھوں نے یوم جمعہ کی تعیین بھی کردی ہے اگرچہ لیث بن سعد کے بیٹے کے بیان کے مطابق ۹۲ھ انکا سنہ پیدائش ہے

ان کی کنیت ابو الحارث ہے اور امام بخاری اور دوسرے معتمد علیہ بیانوں کے مطابق یہ بنی فہم کے آزاد کردہ غلام تھے اور لیث بن سعد خود کا بیان یہ ہے کہ ان کا اصل خاندان اصفہان میں تھا۔ اور یہی ان کے گھر والے بھی کہتے تھے

تقریبًا پچاس تابعین سے ان کو ملاقات کے مواقع حاصل ہوئے اور ان سے روایت احادیث کا اتفاق ہوا ہے۔ خود مصر میں یزید بن ابی حبیب جعفر بن ربیعہ اور عبید اللہ بن ابی جعفر جیسی بڑی ہستیاں حجاز کے عطاء بن ابی رباح ہشام بن عروہ نافع مولیٰ ابن عمر جیسی رفیع المرتبت شخصیتیں اور عراق میں ہشیم الواسطی جیسے بزرگ شامل ہیں۔ ایک بار دوران قیام بغداد میں بقرعید کا موقع

۱؎ تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۵۹ ۲؎ ان کے متعلق لیث کا کہنا تھا "یزید عالمنا وسیدنا" یہ ان تین علماء میں سے تھے جنکے سپرد عمر بن عبد العزیز نے مصر میں فتوے کا کام دے رکھا تھا وقتاً فوقتاً مصر کی جنگوں اور فتنوں کی تفصیل جو ہمیں نے انہیں لیکے درج کتب کی ہیں انکی روایتی تھی کہ گویا مصر میں انھیں سے علم کی نشو ونما ہوئی حلت و حرمت کے باب میں بڑے وسیع النظر تھے سنہ ۱۲۸ھ میں وفات ہوئی حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۱

آیا۔ نماز پڑھی اور بڑھ کے اپنے کاتب ابو صالح سے فرمایا کہ ذرا ہشیم الواسطی کے مکان کا پتہ دریافت کرکے ان کے یہاں جاؤ میرا سلام کہو اور ان سے گذارش کرو کہ اپنی کوئی کتاب مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ ابو صالح گئے اور لیث بن سعد کے لئے اس میں سے کچھ لکھوا کے لے آئے۔ خود لیث بن سعد سے سنا ہوا کئی لوگوں نے بیان کیا کہ لیث ابن عمر کے مولیٰ نافع سے انھوں نے سوال کیا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو سعد نے کہا مصر کے پوچھا کس خاندان سے ہو کہا قیس کے عمر پوچھی تو لیث نے کہا کوئی بیس برس کی اس پر نافع نے کہا کہ تمھاری ڈاڑھی تو چالیس برس کے مرد کی سی معلوم ہوتی ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے رحمت غیثیہ میں کہا ہے کہ میرے ہاتھ ایک مجموعہ لگ گیا تو مجھے اس میں لیث کی نافع سے بیان کردہ احادیث جو سنو کے لگ بھگ تھیں نظر پڑیں ان میں مرفوعہ اور موقوفہ دونوں طرح کی حدیثیں تھیں۔ ان کے علاوہ لیث نافع کی بیان کردہ احادیث کو بالواسطہ اور کبھی بلا واسطہ سن کے روایت کیا کرتے تھے بیچ میں صرف ایک یا دو تین اشخاص ہوا کرتے۔ بست سالہ بود کہ حج کردو از نافع بن عمر شنید[1]۔ اس کے علاوہ ابن شہاب زہری سے روایت کردہ احادیث کی تعداد بھی خاصی ہے یہاں بھی کبھی ایک راوی درمیان میں ہوتا اور کبھی دو اور تین یا اس سے زائد بھی آجاتے ہیں۔ علماء کی رائے ہے

---

[1] اتحاف النبلا صفحہ ۳۳۷

کہ ان کی جو روایت ابن زہری کی بیان کردہ ہو تو اصح الاحادث شمار ہوتی ہے جن میں تدلیس وغیرہ کا مطلق احتمال نہیں گو ایک بار انھوں نے خود رصافہ جاکے ابن شہاب زہری سے بالمشافہ احادیث سننا چاہیں مگر بوجوہ نہ جاسکے شاید اسی وجہ سے صاحب تہذیب التہذیب فرماتے ہیں " فی احدیثہ عن الزھری بعض الاضطراب[1]۔ بسا اوقات اپنے ذخیرۂ معلومات کی وسعت کی وجہ سے انکی وہ روایتیں سامنے آئیں کہ جنپر محدثین کو غریب السند ہونے کا حکم لگانا پڑا اس لئے کہ عام طور پر اہل مصر ان سے واقف نہ تھے بخاری اور مسلم اور بقیہ اصحاب صحاح ستہ نے بھی اپنی کتب میں ان کی مرویات لی ہیں اور تو اور بعض احادیث ان کی مرویہ ان کے شیوخ اور معاصرین سے روایت کردہ بھی موجود ہیں تہذیب التہذیب میں یہ بھی ہے

عن محمد بن الحسین قال سمعت احمد یقول اللیث ثقۃ ولکن فی اخذہ سہولۃ لیس لھم یعنی اھل مصر اصح حدیثا من اللیث وعمرو بن الحارث یقارب[2] — محمد بن حسین فرماتے ہیں کہ انھوں نے احمد سے یہ کہتے سنا کہ لیث ثقہ ہیں لیکن اس معاملہ میں ذرا سہولت برتتے تھے اہل مصر کے لئے لیث سے زائد صحت حدیث کا اہتمام رکھنے والا نہیں ہوا اور عمرو بن حارث ان کے قریب قریب تھے

---

[1] تہذیب صفحہ ۴۵۹ جلد ۸ [2] تہذیب التہذیب صفحہ ۱۶۶ جلد ۱۰

حالانکہ ابھی جوان ہی تھے کہ جوق در جوق لوگ انکی حدیث دانی کے شہرے
سن سن کر مدینہ اور شام سے مصر آتے جاتے تھے اور ان سے
استفادے کرتے۔ ان کے شیوخ میں یحییٰ بن سعید اور زہری جیسے
جلیل القدر تابعی تو تھے ہی مالک بن انس سے بھی لیث کو اخذ احادیث
کے مواقع ملتے رہے ہیں۔ خلاصہ ما فی الباب یہ کہ لیث بن سعد کو
نفقہ جمہور کے احادیث کے نقطہ نظر سے بھی مشہور کرنے والے
نہ ملے۔ اور آپ زاویہ خمول ہی میں رہ گئے۔ ہاں ایک ابوصالح
ان کے ایک شاگرد ایسے تھے جنھوں نے کچھ کچھ ان کے علوم کو لوگوں تک
پہنچا دیا لیکن ان کی احادیث کی تبویب ہوئی نہ ترتیب اور تنسیق
صرف محدثین کبار اور مصریین کے اقوال کے ذریعہ ہی ان کی
قدر و منزلت تک رسائی ہمارے لئے ممکن ہے۔ چنانچہ ابو بکر
بن الاثرم نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سن کے بیان کیا۔

ما فی هؤلاء المصریین اثبت من	ان مصریوں میں لیث سے زائد ٹھوس
اللیث لا عمرو بن الحارث و	کوئی اور نہ تھا نہ عمرو بن الحارث
لا غیره ما اصح حدیثه وجعل	(مصری) اور نہ کوئی اور ان کی احادیث
یثنی علیه	کیسی کچھ صحیح ہوتی ہیں ان کے علاوہ اور بھی تعریفی جملے آپ نے فرمائے

علما میں سے یحییٰ بن بکیر نے فرمایا۔

ما رایت فیمن رایت مثل اللیث — لیث جیسا ان تمام لوگوں میں جن سے

وما رأيت أكمل منه كان فقيه — میری ملاقات ہوئی ہینے کسی کو نہ پایا یہ
البلاد عربي اللسان يحسن القرآن — ان سب میں کامل تر تھے مصر کے فقیہ تھے
والنحو والحديث والشعر والمذاكرة — انکی عربیت قرآن دانی نحو حدیث شعر
الى ان عد خمس عشرة خصلة — اور مذاکرہ خوب خوب تھا۔ ایک ایک کرکے
ما رأيت مثله[1] — انھوں نے لیث کے کوئی پندرہ اوصاف
بیان کر دیئے۔ ترجمہ ان جیسا تو کوئی ملا ہی نہیں

یہ تو ان کی حدیث دانی کا پہلو تھا اب اگر ان کے تفقہ پر نظر ڈالی جائے اور اس نقطۂ نظر سے ان کی شخصیت کو مطمح نظر بنایا جائے تو مختصراً قولِ فیصل وہ ہے جو حسن بن یوسف نے ربیع بن سلیمان سے سنکے بیان کیا

قال عبد الله بن وهب لولا مالك والليث لضللنا — عبد اللہ بن وہب نے کہا اگر مالک بن انس اور لیث نہ ہوتے تو ہم سب لوگ گمراہ ہو جاتے۔

شیخ ابو اسحاق نے طبقات میں لکھا ہے کہ علم مصر میں تابعین کے علم کا ذخیرہ لیث سے زائد کسی اور کے پاس نہ تھا اور ان کے علوم کے یہی منتہا اور آخری کڑی سمجھے گئے ہیں۔

ليث بن سعد وهو من تابعي التابعين — لیث بن سعد تبع تابعین میں سے ہیں۔
سمع عطاء بن ابي رباح وعبيد الله بن ابي مليكة وسعيد — انھوں نے عطا بن ابی رباح عبد اللہ بن ابی ملیکہ اور سعید مقبری سے حدیث

---

[1] حسن المحاضرہ للسیوطی صفحہ ۱۳۵ جلد ۱

المقبری۔ وخلائق غیرھم من التابعین واخرین من تابعیھم[1] سنی اور ان کے علاوہ اور تابعین سے بھی

اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ ابو صالح (تلمیذ لیث) کے علاوہ فقہ میں ابن وہب عبد الرحمن بن قاسم اور اشہب وغیرہ بھی تھے لیکن افسوس کہ کسی نے بھی نہ ان کے مسائل کی تدوین کی اور نہ ان کے احادیث کی ترتیب دی اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے۔

فیتغنۂ اصحابہ ولمیدن ولو فقہہ کماد ولو افقہ مالک وغیرہ ان کے شاگردان نے انھیں فنا کردیا انکی فقہ کی تدوین ویسے نہ کی جیسی مالک اور دوسرے ائمہ کے فقہ کی تدوین انکے شاگردوں نے کی۔

مصر میں عباسیہ کا دور دورہ ہے محدثین فقہ اور علما کا خاصا مجمع ہے لیکن امراد مصر کی نظر ان پر ہی پڑتی ہے اور امور مہتمہ کے فیصل کرتے میں انھیں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

قال ابن سعد کان اشتغل بالفتوی فی زمانہ وکان ثقۃ کثیر الحدیث صحیحہ[2] ابن سعد کا کہنا ہے کہ فتوی نویسی میں اپنے زمانہ میں اشتغال رہتا۔ قابل اعتماد ہوئے ہیں اور بہت سی صحیح حدیثیں انکے پاس تھیں

ابو جعفر منصور نے ان[3] سے والی بننے کی خواہش کی لیکن آپ نے یہ کہہ کے ٹال دیا کہ کہاں بھلائیں اور کہاں ولایت ملکی میں غلام

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات قلمی شیخ الاسلام محی الدین نووی جلد ۲ صفحہ ۵۲ [2] تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۵۹ اعلام الموقعین جلد ا صفحہ ۳۰ [3] حسن المحاضرہ صفحہ ۱۳۵ جلد ا

میرے لئے یہ منصب شایاں نہیں۔ منصور نے ہرچند کہا کہ میری نظر میں سوائے آپ کی بدن کی نحافت وضعف کے اور کوئی ضعف کی بات نظر نہیں آتی کیا مجھ سے زائد آپ کو کوئی قوی تر نظر آتا ہے۔ اچھا اگر یہ پسند نہیں تو آپ ہی اس بارے میں میری رہنمائی کیجئے اور کسی کا انتخاب کر دیجئے۔ اور کسی کا تعارف کر دیجئے۔ اشہب ابن عبدالعزیز آپ کے شاگرد نے بیان کیا لیث کے اوقات کی تقسیم اس طرح تھی کہ وقت کا ایک حصہ وہ تھا جس میں بادشاہ ان سے مشورے کرتا ایک وہ تھا جس میں محدثین اپنی اپنی مشکلات حل کرتے پھر ایک وقت میں مسئلے مسائل پوچھنے والے جوابات حاصل کرتے اور پھر ایک وقت اس کے لئے ہوتا تھا کہ عامۃ الناس میں اہل حوائج اپنی اپنی ضرورتیں ان کے سامنے رکھتے اور یہ پوری کرتے۔ اس کا کچھ لحاظ نہ تھا کہ معمولی ضرورت ہو یا اہم۔ مورخین نے مصر کے اکثر حالات انہیں سے روایت کردہ اپنی کتب میں درج کئے ہیں۔ علم کی قوت انکی حمایت پر تھی تملق اور چاپلوسی سے ان کی شخصیت بالا اور اور بہت بالا۔ حق گوئی میں شاہ و گدا خادم مخدوم راجا اور پرجا حاکم اور محکوم سب برابر تھے۔ ایک بار خلیفہ وقت کو خط لکھ بھیجا کہ آپ نے اپنے عہد میں وہ وہ احکام نافذ کر دیئے ہیں جنکی کہیں سند نہیں ملتی۔ ایک بار لکھا کہ آپ کے مقرر کردہ والی سے ہمیں روپے پیسے کا کوئی شکوہ نہیں اور ہے تو یہ کہ سنت کے بارے ہمیں گول مول

باتیں کرتا ہے ۔ اسی طرح ایک بار ہارون الرشید سے ملنے گئے تو انھوں نے کہا کہئے شیخ شہروں کے کیا حال چال ہیں مرفہ حالی میں لوگ کیسے ہیں ۔ اس کے جواب میں لیث نے کہا کہ دریائے نیل سیراب کرتا ہے اور شاہ وقت میں صلاحیت موجود رہے ۔ پھر ملکی صلاح وفلاح کا کیا سوال چشمہ ہی سے گندگی پھیلتی ہے اگر سرچشمہ ہی صاف رہے تو کیا کہنا اسپر ہارون نے کہا صدقت یا ابا الحارث ۔ اے ابوالحارث (لیث) آپ نے ٹھیک بات کہی۔[1]

مصریوں کو ان کی فہم و فراست دین اور دیانت پر پورا پورا اعتماد اور بھروسہ تھا ۔ اور ان کے فیصلوں کی قدر کرتے تھے مصری گورنر اور قاضی ان کی ہی ماتحتی میں کام کرتے اور ان کے ہی حکم سے معزول کردیئے جاتے[2] " چوں انمیکے اورا ریب می شد بکتابت او معزول می گشت[3] " ایک امیر مصر نے ایکبار ایک وصیت نامہ لکھا اور اس میں عبدالرحمن خالد اور لیث بن سعد دونوں کو معتمد علیہ قرار دیا اور یہ بھی کہدیا کہ عبدالرحمن بغیر لیث کی رائے لئے ہوئے کوئی کاروائی نہ کریں[4] لیث کے اجتہادی مسائل کا ابن وہب کی موجودگی میں ذکر آیا تو سب نے انکی تحسین کی ایک شخص ان میں سے کہنے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے امام مالک سے سنکے لیث بیان کرتے ہیں ابن وہب نے کہا نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے شاید امام مالک ان سے سنکے مسائل بیان کرتے ہیں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ذہبی صفحہ ۲۰۷ [2] حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۱۳۵ [3] حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۱۳۴ [4] اتحاف النبلا صفحہ ۳۳۵

سخاوت کا ملکہ ان کی سرشت میں تھا اور داد و دہش میں ان کا مماثل ایکے معاصرین میں شاذ ہی کوئی دوسرا ہو تو ہو پہلے گذر چکا کہ لوگ اپنی حاجتیں چھوٹی بڑی سب ہی ان کے سامنے پیش کرتے اور یہ پوری کرتے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ پوری نقدیات کی تھیلی منصور بن عمار ایک اجنبی کے حوالہ کر دی وہ اس طرح جیسا کہ منصور نے خود بیان کیا کہ لیث بن سعد اس معاملہ میں بہت متشدد تھے کہ کوئی جامع مسجد میں سوال یا کلام کرے اگر کوئی ایسا کرتا تو اسے فوراً مسجد سے باہر کرا دیتے۔ ایک بار منصور کا مصر جانا ہوا اور جامع مسجد میں کچھ بیان کرنے لگے یہ بیان کر ہی رہے تھے کہ دو شخصوں نے آ کے ان کو لڑکا اور پکڑ کے لیث کے پاس لے گئے یہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں لیث کے پاس پہنچا اور میں نے سلام کیا تو پوچھنے لگے کہ تم ہی یہاں کچھ بیان کر رہے تھے (میں نے اپنے دل میں کہا ہائے کس بری طرح آج میرا اس شہر سے اخراج ہوگا) میں نے کہا جی ہاں انھوں نے کہا کہ جو تم کہہ رہے تھے پھر میرے سامنے کہو چنانچہ میں نے کہا دہرا دیا لیث پر اس کے ایک رقت طاری ہوگئی اور رونے لگے۔ پھر انھوں نے میرا نام پوچھا میں نے بتا دیا۔ وہاں اتفاق سے ایک دوسری ایک شخص اور تھا اس نے توثیق کی اس پر مجھے ایک تھیلی نکال کے حوالہ کر دی۔ ایک بار ایک عورت نے آ کے

لہ الاثمار الجنیہ فی طبقات الحنفیۃ قلمی صفحہ ۱۳۲ و حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۱۳۵

اپنے شوہر کی بیماری کا حال بیان کیا اور کہا کہ طبیبوں نے اس کے لئے شہد تجویز کیا ہے۔ تھوڑا سا عنایت فرما دیجئے لیث نے کہا کہ داروغہ کے پاس جا کے ایک مطر شہد لے لو۔ (مطر ایک پیمانہ تھا جس میں تقریبًا ایک سو رطل آتے تھے) فرمایا کہ اس نے اپنے اندازہ سے مانگا ہم اپنے حوصلے اور اندازے سے اتنا اس کو دیتے ہیں ان کے شاگرد عبداللہ بن صالح بیان کرتے ہیں کہ میں نے تقریباً بیس سال شیخ کی صحبت اٹھائی ہے وہ دن اور رات کا کھانا کبھی تنہا نہ کھاتے تھے۔ انکی دستر خوان پر ساتھ کھانے والوں اور مہمانوں کا خاصا مجمع ہوا کرتا

امام اوزاعی رحمہ اللہ کو خلفاء بنی امیہ کی طرف سے جاگیریں عطا ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ انہیں خلفاء اور ان کے اقارب نیز بنی عباس کے بعض افراد سے ستر ہزار دینار وقتاً فوقتاً ملتے تھے یہ سب اور یہ جاگیر فروخت کرکے انھوں نے فقرا اور مساکین پر خرچ کر ڈالی وفات کے وقت صرف ۷ دینار بچے جس سے تجہیز و تکفین ہوئی۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ ریشمی کپڑوں کے تاجر تھے۔ کپڑوں کی انکی دوکان تھی لباس اچھا پہنتے اور عطریات کا استعمال بہت کرتے۔ امام یوسف کی شروع شروع اپنے استاد ابوحنیفہ سے امداد ہوتی رہتی۔ پھر مہدی ہادی اور ہارون کے عہد خلافت میں قاضی

لہ مجاسن المساعی فی مناقب اوزاعی صفحہ ۷۶ ؎ ایضاً صفحہ ۷۹

اور قاضی القضاۃ رہے۔ ظاہر ہے کہ ان مناصب کی معمولی تنخواہیں
نہ ہونگی امام محمد تو اتنے دولت مند تھے کہ نحو شعر حدیث فقہ وغیرہ
وغیرہ کی تحصیل میں کہتے ہیں کہ تیس ہزار درہم انھوں نے خرچ کیے
تھے۔ ہارون الرشید کے عہد میں رقہ کے قاضی بھی رہے تھے اور
ابو یوسف رحمہ اللہ کی مالی امداد کیا کرتے تھے اسی طرح فقیہ مصر
لیث بن سعد مصر کے اغنیا میں شمار ہوتے تھے ان کی سالانہ آمدنی
۵ ہزار یا ۸ ہزار دینار اس کے علاوہ ہارون کی عطا کردہ جنیرہ
کی جاگیر بھی اور باینہمہ خود فرماتے تھے مجھ پر کبھی زکوٰۃ واجب
نہیں ہوئی۔ جو ملتا اسے خرچ کر ڈالتے۔

وکان اللیث من الکرماء والاجواد فما وجب علیہ زکوٰۃ[1] لیث سخیوں میں سے تھے ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوئی۔

امام محی الدین نووی تہذیب الاسماء واللغات میں کہتے ہیں۔

کان دخلہ ثمانین الف دینار فی السنۃ فما وجبت علیہ زکوٰۃ قط[2] لیث کی آمدنی ۸۰ ہزار دینار سالانہ تھی لیکن ان پر کبھی زکوٰۃ واجب نہ ہوئی۔

ابن لہیعہ[3] کا گھر جلا انھوں نے ایک ہزار دینار سے انکی مدد کی امام
مالک نے لکھ بھیجا کہ مجھ پر کچھ قرض ہو گیا ہے تو قاضی بغداد سو دینار
سے ان کی خدمت میں بھیج دیئے اور یہ ایک بار نہیں بلکہ بار بار انکی

---

[1] الاثمار الجنیہ قلمی صفحہ ۳۶ [2] صفحہ ۱۵ جلد ۲ [3] ابن لہیعہ حضرموت کے باخبر سے تھے حدیث و آثار کا ان کے پاس کافی ذخیرہ تھا شیعیت کی طرف ان کے میلان کی وجہ سے محدثین انھیں قابل وثوق نہ سمجھتے تھے دس سال تک مصر کے قاضی رہے منصور کے عہد میں

مدد کرتے رہے۔ چنانچہ امام مالک کو ایک خط لکھا اور اس میں جملے تھے

لاتترك الکتاب الی بخبرك وحال ولدك واھلك وحاجۃ ان کانت لك او لاحد یوصل الیك فانی اسر بذالك[1]

اپنے حالات اور خیریت لکھتے رہنا اسی طرح سے اہل وعیال کی بھی اور کوئی حاجت روپیہ پیسہ کی پیش آئے تو وہ بھی لکھنا صرف اپنے لئے نہیں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کی بھی اس لئے کہ مجھکو اس سے خوشی ہو گی اور ہوتی ہے۔

فقہا علما اور حاجت مندوں کی بڑی بڑی رقوم سے مدد کرتے اسکندریہ (مصر) سے بحری راستے سے جب کہیں کا سفر کرتے تو تین کشتیوں کا[2] انتظام رہتا ایک میں ان کے اہل وعیال اور ایک میں سامان پخت وپز اور اسکے لوازمات اور مخصوص مہمانوں کیلئے ایک کاتب لیث ابو صالح نے ایک بار کا واقعہ بیان کیا کہ ایک روز مجھے مالک بن انس کے یہاں جانے کا اتفاق ہوا لیکن مجھکو اندر جانے نہیں دیا گیا یہ دیکھ کے میں نے کہا کہ میرے شیخ کے یہاں تو ایسا ہوا نہیں کرتا مالک ابن انس نے میری بات سن لی اور مجھے اندر بلا لیا۔ پھر مجھ سے دریافت کیا کہ تمھارا شیخ کون ہے میں نے کہا لیث بن سعد تو اسپر امام مالک نے فرمایا کہ تم مجھے ایسی ذات سے تشبیہہ دیتے ہو کہ جسکا حال یہ تھا کہ میں نے اسے تھوڑا کسم بھیجنے کو لکھا تاکہ میں اس سے اپنے بچوں کے کپڑے رنگ لوں۔ اس کا نتیجہ

---

[1] اعلام الموقعین۔ [2] ابن حجر۔

یہ ہوا کہ انھوں نے اتنی مقدار میں یہ رنگ بھیجدیا کہ میں نے اپنے بال بچوں کے علاوہ اپنے پڑوسیوں کے بھی کپڑے رنگوا دیئے اور اس پر بھی اتنا بچ رہا کہ میں نے بچا ہوا ایک ہزار دینار یا پانچ ہزار دینار میں فروخت کر ڈالا[1]۔ اسی طرح اسد بن موسیٰ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن علی (سفاح) بنی امیہ کے افراد کو ڈھونڈھ کے قتل کروا دیتا تھا۔ میں نے اس خوف سے بغداد چھوڑا مصر چلا گیا میں میں بالکل بظاہر فرسودہ حالی میں تھا۔ میں لیث کی خدمت میں بھی حاضر ہوا بات چیت کر کے جب فراغت ہوئی اور میں جانے کے لئے اٹھا تو لیث کا ایک خادم میرے پیچھے لگ گیا اور مجھ سے کہنے لگا یہاں ذرا ٹھہر جائیے میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ میں بیٹھ گیا میں اکیلا ہی تھا اس نے گھر سے نکلنے کے بعد ایک تھیلی مجھے پیش کی جس میں خاصے دینار رکھے اور لیث بن سعد کا کہنا دھرا یا کہ یہ رقم اس لئے ہے کہ اس سے آپ اپنے کھانے پینے کا انتظام اور پریشان خاطری رفع کریں میرے پاس یہ اتنے تیار رکھے۔ میں نے نکال کر سامنے رکھ دیئے اور میں نے خادم سے کہا کہ مجھے شیخ تک جانے کی پھر اجازت ہو تو میں ان سے کچھ کہوں۔ اجازت پاکے میں شیخ کے پاس گیا اور میں نے ان سے اپنا نسب بیان کیا کہ میں تو صدقات کا مستحق نہیں ہوں۔ یہ سن کے لیث نے فرمایا کہ یہ رقم میں نے صدقہ سمجھ کے نہیں

---

[1] البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۱۶۶ جلد ۱۰

دی بلکہ ایک صلہ و عطیہ کے طور پر ہے لیکن میں نے اسے قبول کرنے سے یہ کہہ کے معذرت چاہی کہ میں اپنے آپ کو ایسی بات کا عادی نہیں کرنا چاہتا۔ میں الحمد للہ اس سے بے نیاز ہوں۔ لیکن میری معذرت مسموع نہ ہوئی اور یوں فرمانے لگے کہ تم یہ رقم لیجاؤ اور کسی مستحق محدث کو دیدینا۔[۵] چنانچہ انھوں نے لے لی اور لوگوں میں تقسیم کردی۔ یہ خاص بات تھی کہ جب کوئی آپ کے پاس آتا جاتا تو بالکل بے تکلفانہ اس کے ساتھ برتاؤ رہتا اور جب رخصت ہونے لگتا تو اس کے وطن تک پہنچنے کا پورا سہارا کر دیتے۔

امام ترمذی راوی ہیں کہ لیث بن سعد ہر نماز کے بعد تین سو مساکین کو خیرات بانٹا کرتے تھے۔ آپ کے یہاں سے کوئی سائل بے نیل مرام واپس نہ جاتا۔ جاڑوں میں مہمانوں کی شہد گاڑے سے گھی اور حلوان سے خاطر تواضع کرتے اور گرمیوں میں بادام اور شکر کا اضافہ ہو جاتا۔[۶]

جمعہ کا دن ۱۵ یا ۱۶ شعبان ۱۷۵ھ کو فقیہ مصر محدث کبیر فاضل دوران مرجع خلائق ماوائے بیکساں ملجا مفلساں لیث بن سعد نے اکیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ خالد بن عبد السلام صدفی جن کو آپ کے ساتھ ہمنشینی کا شرف حاصل رہا بیان کرتے ہیں کہ میں ان کے جنازہ میں شریک ہوا ہوں

نمایت جنازة قط بعدها اعظم میں نے ایسا بڑا مجمع کسی اور کے جنازہ

---

[۵] الرحمۃ الغیثیہ صفحہ ۲۴۱ - [۶] ایضاً صفحہ ۲۴۲

منہا ور أنت الناس کلھم علیھم الحزن یلیتی بعضھم بعضاً [۱] یعنے ان کے وفات کے بعد نہیں دیکھا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ سب پر غم وحزن طاری تھے اور ایک دوسرے سے تعزیت کرتے

یہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے پوچھا کہ کیا لیث کے سب ہی رشتہ دار تھے تو میرے والد نے فرمایا نہیں یہ بڑے عالم بڑے سخی بڑے سمجھ دار اور فاضل تھے۔ ایسا تمھیں اب کوئی نظر نہ آئے گا۔ [۲] ابن خلکان نے ان کی وفات کے وقت یہ شعر کسی کو کہتے سنا تھا ؎

ذھب اللیث فلا لیث لکم ومضی العلم غریبا وقبر

اتحاف النبلاء میں ہے کہ "چون دفن کردند آوازے آمد ذھب اللیث الخ چون جستجو کردیم کسی را نیافتیم" [۳]

قرافہ مصر کے پاس ایک گاؤں میں مدفون ہیں اور بقول صاحب اتحاف۔ قبرش یکے از مزارات ست" [۴]

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مختلف فقہاء اور محدثین کی کتب کا مطالعہ کیا ہے اکثر مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف کچھ نہ کچھ نظر پڑا اور اکثر مسائل میں موافقت بھی پائی لیکن صرف ایک مسئلہ ایسا ہے کہ جس میں لیث بن سعد اپنی خاص رائے رکھتے اور اس مسئلہ میں آپ منفرد تھے۔ وہ مسئلہ مردہ ٹڈی کی حرمت وحلت کا ہے تمام صحابہ اور تابعین اس کی حلت کے قائل ہیں مگر

---

[۱] ابن حجر صفحہ ۴۲ [۲] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ جلد ا [۳] اتحاف النبلاء صفحہ ۳۳۷
[۴] اتحاف صفحہ ۳۳۷

لیث کی رائے میں مری ہوئی ٹاڈی کا کھانا جائز نہیں صرف مالکیہ میں سے بعض ان کی اس رائے میں شریک نظر آتے ہیں۔ چونکہ ہیرے کی قدر باہر ہوتی ہے۔ لیث کو باہر والوں نے سمجھا اور پرکھا۔ اگر اہل مصر میں احساس قومی ہوتا اور حمیت سے کام لیتے تو ان کی فقہ کے صرف مقلد ہی نہ بنتے بلکہ ان کے مسلک کی تدوین اور ترتیب بھی دے لیتے لیکن بقول امام شافعی رحمہ اللہ

ضیعہ قومہ ان کی قوم نے انھیں فنا کردیا

بہرکیف آثار سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا اور امام مالک کا باستثنائے بعض جزئیات مسلک ملتا جلتا ہی تھا جب ہی تو امام شافعی نے فرمایا "اللیث افقہ من مالک"

یہاں لیث بن سعد کے طریق تفقہ اور مسلک اجتہاد کو معرض بحث میں لانے سے قبل ان مشاہیر ائمہ اربعہ کے مسالک پر روشنی ڈالنا مناسب ہے جن کے مقلد اور متبعین آج بھی موجود ہیں۔

مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

امام ابوحنیفہ مدلول اشارات اور کلام پاک سے استنباط کرنے کے طریقوں میں دوسرے ائمہ سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن قرآن ہی کو شریعت کا ماخذ بنانے میں سب کے ہمنوا ہیں رہ گیا تشریع اسلامی کا دوسرا ماخذ حدیث اس بارے میں ان کو دوسروں سے

امتیاز ضرور حاصل ہے ۔ متن حدیث کے مفہوم اور مدلول اور اسناد حدیث کی قبول اور عدم قبول میں دوسروں کے مقابلہ میں تشدد ہیں اور جب تک ایک بڑی جماعت دوسری بڑی جماعت سے کوئی حدیث روایت نہ کرے یہ اس کو قبول نہیں کرتے یا فقہاء امصار کو کسی حدیث پر عامل پاتے ہیں تو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی صحابی ایک جماعت کے سامنے کوئی حدیث بیان کرے اور اس مجمع میں کوئی اس کا خلاف پیش نہ کرے تو اسے بھی ایک جماعت کی مروی حدیث شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ امام یوسف کا یہ قول اپنے استاد کے مسلک کا ترجمان ہے ۔ فعلیك من الحدیث بما تعرف العامة (الجمهور) وایاك والشاذ منه

عن نعیم بن عمر قال سمعت ابا حنیفة یقول عجبا للناس یقولون انی اقول بالرای وما افتی الا بالاثر
نعیم بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ کو کہتے سنا کہ لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں رائے کو دخل دیتا ہوں حالانکہ حدیث کو سامنے رکھ کے فتویٰ دیتا ہوں ۔

وعن نضر بن محمد قال ما رایت احداً اکثر اخذ الآثار من ابی حنیفة
نضر بن محمد راوی ہیں کہ میں نے کسی کو ابو حنیفہ سے زائد احادیث سے اخذ کرتے نہیں دیکھا ۔

قال احمد بن یونس قال سمعت ابی یقول کان ابو حنیفة شدید الاتباع
احمد بن یونس نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد کو کہتے سنا کہ ابو حنیفہ احادیث صحیحہ کے بہت

لہ کشف الاسرار بزدوی جلد ۲ صفحہ ۱۶ - ۱۷

تاریخ تشریع الاسلامی میں علامہ محمد خضری فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو جب کتاب اللہ کی تصریح ملجاتی تو اس کو معمول بہ بناتے لیکن جس مسئلہ میں کتاب اللہ ناطق نہ ہو تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وہ آثار معمول بہا بنتے ہیں جو ثقات میں شائع ذائع ہوں۔ لیکن جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور حدیث میں نہیں ملتا تو صحابہ کے اقوال کو سامنے رکھ کے جسکو چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ اور جسے نہیں چاہتے اسے نہیں لیتے جب معاملہ ابراہیم شعبی حسن ابن سیرین سعید بن مسیب وغیرہم تک پہنچتا ہے تو (انکیں القول ان کے) یہ حق حاصل ہے کہ جس طرح انھوں نے رائے اور قیاس کو دخل دیا یہ بھی دیں"۔ اس کے ساتھ جہاں کہیں قیاس کرنا ان کے نزدیک مناسب ہو تو استحسان سے کام لیتے ہیں اور جب استحسان[۵۲] سے بھی کام نہ چلے تو مسلمانوں کے عمل درآمد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ بہرکیف حدیث کو مشہور اور معروف کی شرطوں سے مقید کرنے اور اقوال صحابہ اور تابعین کو آزادانہ جانچنے میں تشدد کی وجہ سے ان کے مسلک میں قیاس ایک اہم بنیادی چیز بن کے رہ گئی۔ اور یہی ان کا اور دوسرے ائمہ کا مابہ الفرق نقطہ ہے۔ اس رائے اور قیاس کے موضوع پر امام

---

[۵۱] کشف الاسرار بزدوی صفحہ ۲۲۲ [۵۲] اس کی بحث آگے آئے گی۔

جعفر صادق اور امام ابو حنیفہ کے مناظرے مؤرخین نے نقل کئے ہیں۔ امام جعفر صادق نے ان سے دریافت کیا کہ قتل نفس اور زنا میں بڑا جرم کون ہے آپ نے فرمایا قتل نفس۔ اس پر امام جعفر صادق نے فرمایا قتل کے ثبوت کے لیے صرف دو گواہ کافی ہو جاتے ہیں بخلاف زنا کے اس میں چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر تم قتل نفس کو بڑا جرم کیسے سمجھتے ہو۔ اسی طرح دوسرا سوال یہ کیا کہ روزہ کو فضیلت زائد ہے یا نماز کی امام صاحب نے جواب دیا نماز۔ امام جعفر نے اسپر کہا حائضہ عورت سے روزہ کی تو قضا کرائی جاتی ہے جو مفضول ہے اور نماز کی نہیں جو افضل ہے۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تم قیاس کے کیسے قائل ہو[1]۔ صاحب بحار الانوار نے امام ابو حنیفہ اور شیعیوں کے مختلف مناظرے نقل کئے ہیں۔

مسلک امام شافعی رحمہ اللہ

اسی طرح امام شافعی بھی قرآن پاک اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریع اسلامی میں اصل قرار دیتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ کا حل ان دو سے نہ ملے تو قیاس کو کام میں لاتے ہیں۔ یہ[2] ظواہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں مگر ہاں اس وقت جب یہ ثابت ہو جائے کہ ظاہر قرآن مراد نہیں لیا جا سکتا تو مجبوراً حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جب

---

[1] ضحی الاسلام صفحہ ۲۶ [2] تاریخ تشریع الاسلامی۔

خبر واحد کا راوی ثقہ ہو تو اس پر عمل کرنے کو راجح سمجھتے ہیں اور جب مرفوع متصل حدیث ملجاتی ہے تو کسی عمل کی جو اس کے معارض ہو موافقت نہیں کرتے امام ابو حنیفہ کی طرح حدیث میں شہرت کی قید بھی نہیں لگاتے یہ حدیث صحیحہ کو اس نظر سے سامنے رکھتے ہیں۔ جس طرح قرآن پاک کو اور دونوں کو واجب الاتباع ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حدیث کے بعد یہ اجماع پر عمل کرتے ہیں بشرطیکہ اس اجماع کے خلاف کسی عمل کا علم ناممکن ہوا اور اگر ان دلائل کو فقہی مسئلہ میں متاون نہیں پاتے تو قیاس پر آجاتے ہیں بشرطیکہ اس کے لئے کوئی اصل متعین موجود ہو۔ استحسان اور استصلاح[۱] کے یہ قائل نہیں ہیں ہاں قیاس کے باب میں ان کا مسلک بین بین ہے نہ امام ابو حنیفہ کی طرح متساہل نہ امام مالک کی طرح متشدد۔

امام شافعی نے اپنے رسالہ اصول فقہ میں اپنے مسلک کی جو تصریح کی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ پہلے کتاب اللہ پھر سنت پھر اجماع پھر آثار صحابہ اس کے بعد انھیں کی روشنی میں قیاس۔ جس کو پورا پورا کتاب اللہ کا علم نہ ہو ناسخ ومنسوخ اور عام خاص کے معلومات اس کے پیش نظر نہوں اسے قیاس کرنا نہیں چاہئے۔ حدیث کا خاص ذخیرہ سامنے ہو اس کی اجماع پر بھی نظر۔ عربیت پر بھی عبور ہو صحیح العقل صحیح الفکر ہو کسی امر کا فیصلہ کرنے میں مستعجل بھی نہ ہو۔ دوسروں کی

۱؎ استصلاح کی بحث آگے آرہی گی۔ ۲؎ الانتقار فی فضائل الائمۃ الثلثۃ الفقہا

باتیں بھی سننے بیٹھا ہو۔ اور حق کی تلاش میں سرگرداں رہا ہو اور جبتک یہ باتیں ملحوظ خاطر نہ ہوں اسے قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ ان کے قیاس کا دائرہ اتنا وسیع نہ تھا کہ اس میں استحسان اور استصلاح کی بھی گنجائش ہو بس انکا قیاس کتاب وسنت ہی سے مشتق تھا۔ ان کا مذہب حنفیہ اور مالکیہ کے بین بین تھا۔

مسلک امام مالک رحمہ اللہ

امام مالک کے اصول میں سے جیسا کہ آگے آئیگا تعامل اہل مدینہ ہی ایک دلیل شرعی گردانی گئی ہے مگر امام شافعی اس کے بھی مخالف ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امام مالک تعامل کے تو موید ہیں لیکن موطا میں اس کے خلاف احادیث لے آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک سورہ حج میں اجماع امت کے لحاظ سے ایک ہی سجدہ فرض ہے لیکن موطا میں عمر و بن عمر کی وہی حدیث موجود ہے کہ دونوں باپ بیٹوں نے سورہ حج میں دو سجدے کئے۔

مسلک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

امام احمد بن حنبل کے مذہب کی نشر و اشاعت گو کافی ہوئی اور آج بھی حنبلی مسلک پر چلنے والوں کی کمی نہیں لیکن جیسا کہ صفحات ماقبل

ﻟﮧ فخر الدین رازی صفحہ ۷۷

میں لکھا جا چکا ہے کہ بعض علماء ان کو فقہا میں شمار ہی نہیں کرتے چنانچہ ابن جریر طبری نے ان کو رجل حدیث لکھا ہے رجل فقہ نہیں لکھا اور ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "المعارف" میں فقہا میں ان کو شمار نہیں کیا ابن عبدالبر نے اپنی مشہور کتاب "الانتقاء" میں ابوحنیفہ مالک اور شافعی رحمہم اللہ ہی کو فقہائے امت میں لکھا ہے۔ حتیٰ کہ ابن خلدون نے بھی ان کو محدثین کے خاندان کا ایک فرد بتایا ہے[۱] اور تو اور بعض طبقات الشافعیہ کے مؤلفین نے انھیں شافعی بھی کہہ دیا ہے[۲]۔ تاہم ان کی فقہ مدوّن ہوئی اور زیادہ تر اس کی بنیاد حدیث پر ہے اور بقول امام شافعی انھوں نے بغداد میں احمد بن حنبل سے زائد فقیہ کسی کو نہیں چھوڑا یہ صحیح السند ہونے کی حالت میں خبر واحد پر بھی بلا شرط عمل کرتے ہیں اقوال صحابہ کو قیاس پر مرجح سمجھتے ہیں۔ حدیث صحیح کے مقابل کسی اور دلیل کو قبول نہیں کرتے صحابہ کے فتووں پر بھی کھول کے عامل ہوتے اور جب صحابہ کے فتاوی میں اختلاف ہو۔ تو ان کی نظر میں جو بات کتاب اور سنت سے قریب تر ہو اس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ جس مسئلہ کی تائید میں کوئی اثر نہ ملتا اس پر عمل کرنا مکروہ سمجھتے"۔ نہایت ہی اشد ضرورت میں قیاس کو دخل دیتے ہیں۔ اس حد تک کہ اگر حدیث ضعیف یا مرسل بھی اسکے[۳] مقابل ہو تو قیاس کو ترک کر دیں گے اور حدیث ہی پر عمل کریں گے

---

[۱] ضحی الاسلام ڈاکٹر محمد امین [۲] تاریخ التشریع الاسلامی صفحہ ۴۵ و ضحی الاسلام صفحہ ۲۳۵ [۳] اعلام الموقعین جلد ۳ صفحہ ۱۳۶

مسلک امام مالک رحمۃ اللہ

امام مالک یہ حدیث پر عمل کرتے ہیں حدیث کی شہرت اور ان دوسری شرائط کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے جو امام ابو حنیفہ کی شروط اولین میں سے تھیں۔ خبر واحد اگر سنداً صحیح یا حسن کے مرتبہ میں بھی ہو تو اسپر عمل کرنے میں ہرگز توقف روا نہ رکھتے۔ لیکن باایں ہمہ قبولیت حدیث میں تساہل بھی نہ کرتے کہ بغیر اس کے ہر پہلو پر نظر ڈالے اسکے ذریعہ اپنا مسلک بنا لیتے۔ مسجد نبوی میں بیٹھ کے باوجود اس کا اہتمام ملحوظ خاطر ہوتے کے کتنوں نے ان سے حدیثیں بیان کیں مگر انھوں نے ان کی صحت قبول نہ کی وہ فرماتے ہیں۔

لقد ادركت سبعين ممن يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عند هذه الاساطين (واشار الى مسجد رسول الله) فما اخذت عنهم شيئا

مجھے ایسے ستّر آدمی ملے جنھوں نے اس کھمبوں (مسجد رسول) کے پاس بیٹھ کے قال رسول اللہ کہہ کے حدیث بیان کی مگر میں نے ان کو قبول نہیں کیا۔

وان احدهم لو ائتمن على بيت المال لكان امينا الا انهم لم يكونوا من اهل هذا الشان

یہ راوی وہ تھے کہ اگر بیت المال کے امین بنائے جاتے تو پورے اہل تھے (مگر کیا کروں) کہ حدیث کے بارے میں ان کی یہ شان نہ تھی۔

قبولیت حدیث میں ان کا موقف یہ تھا کہ ان چار طرح کے لوگوں سے علم حدیث حاصل نہ کیا جائے باقیوں سے حاصل کر لیا جا سکتا ہے

لایوخذ من سفیہ ولا یوخذ من صاحب ھوی یدعوا الی بدعتہ ولا من کذّاب یکذب فی احادیث الناس وان کان لا یتھم علی حدیث رسول اللہ وکان من شیخ لہ فضل وصلاح	بیوقوف کی روائت کردہ حدیث نہ لی جائے نہ اس شخص کی جو اپنی بدعت کی تائید میں کچھ روایت کرے اور نہ جھوٹے کی۔ جو لوگوں کی گفتگوؤں میں سچ نہیں بولتا اگرچہ حدیث کے بارے میں متہم نہ بھی ہو۔
وعبادۃ واذا کان لا یعرف ما یحمل وما یحدث بہ	اور نہ صاحب صلاح وفضل اور عابد شیخ کی حدیث قابل قبول ہے جبکہ اسے حدیث کی اہمیت ملحوظ نہیں۔

امام مالکؒ اس عمل کو بہت اہمیت دیتے تھے جس پر اہل مدینہ عامل ہوں بلکہ اس کے مقابلہ میں حدیث کا رد بھی کر دیتے تھے کہ اہل مدینہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ انھوں نے جو خط اس مسلک کی تائید میں لیث بن سعد کو لکھا اور جسے امام شافعی نے کتاب الام میں نقل کیا ہے یہ فرمایا ہے۔

ان الناس تبع لاھل المدینۃ التی الیھا کانت الھجرۃ	لوگ مدینہ والوں کے عمل میں تابع ہیں جہاں آپ ہجرت فرما کے تشریف لائے اور

---

۵۷ انتقاء ابن عبدالبر صفحہ ۱۶

وہاں تنہا قرآن (کا بڑا حصہ) نازل ہوا۔

ان کی رائے یہ ہے کہ جب اہل مدینہ کسی عمل پر متفق ہو جائیں اور وہاں کے علما اس کی تائید میں ہوں تو یہ عمل خود ایک ایسی دلیل کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ اس کے سامنے قیاس کو رد کر دیا جائیگا نہیں بلکہ حدیث صحیح کو بھی قبول نہ کریں گے۔ ان کا رجحان اس طرف ہے کہ جب اکثریت اہل مدینہ کی ایک جانب ہو خواہ اس کے مقابلہ میں شذوذ ہوں بھی تو یہ ایک روایت کا منصب اختیار کر کے حجت شرعیہ بن جاتا ہے۔ پھر اگر اس کے مخالف کوئی حدیث یا خبر صحیح ہو بھی تو راجح یہی ہے کہ وہ منسوخ ہے۔ ہاں ان کے شاگردوں میں عمل نقلی یا اجماع اہل مدینہ کو حجت شرعیہ بنانے میں کوئی اختلاف نہیں لیکن عمل اجتہادی کے بارے میں اختلافات منقول ہیں۔ صاع مُدّ اوقیہ کی تعیین اذان کی کیفیت کے بیان میں کہ اذان میں کلمہ ایک ایک بار ہونا چاہیئے یا دو دو بار یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں رکن اس طرح ادا فرمایا اور فلاں کو اس طرح یا پیمانے اور باٹ کی عہد نبوت میں یہ شکل تھی ان تمام امور میں اہل مدینہ کے تعامل کو معمول بہ بنانا اوفق اور احوط ہے اس لئے کہ آباؤ اجداد سے ان کو نقل در نقل ہو کے اس طرح پہنچا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی دیکھا اور مشاہدہ کیا بالکل اسی طرح جیسے مناسک حج میں راویوں کے اختلاف کی صورت

مکیوں کے اقوال کو راجح سمجھا جاتا ہے لیکن عمل اجتہادی میں ان کے اصحاب اور تلامذہ کے اقوال امام مالک کے مذہب اور مسلک کے متعین کرنے میں مختلف ہیں مثلاً یہ کہ بائع اور مشتری کو خیار مجلس حاصل ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ چونکہ ان کے پاس احادیث کا کافی ذخیرہ تھا۔ اس لئے رائے کو دخیل کر بنایا۔ لیکن جب رائے کو معمول بہ قرار دیا تو پھر اس کے جمیع اقسام قیاس استحسان استصلاح کو بھی معمول بہ بتایا

مسلک لیث بن سعد رحمہ اللہ

لیث بن سعد کی فقہ اور مسلک استنباط کی تدوین اور ترتیب نہیں ہوئی اس لئے قرآن حدیث آثار اور قیاس وغیرہ کے باب میں کوئی بات صراحت سے کہی کیسے جائے لیکن قرائن شاہد ہیں کہ امام مالک اور ان میں بہت سے نمایاں فرق ہوگا ہاں بعض جزئیات اور اصول میں یہ منفرد ہوں یا وہ۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مختلف مواقع پر فرمایا۔ اللیث انفع للاثر من مالک۔

ایک موقعہ پر فرمایا۔

اللیث افقہ من مالک یا لولا مالک واللیث لضللنا

ایک بار ابن وہب کے سامنے لیث کے مسائل بیان کئے جاتے تھے اور لوگ انکی تحسین کر رہے تھے ایک شخص ان میں سے بول اٹھا۔

ما احسن ما قال اللیث کانہ کان یسمع مالکا فیجیب — لیث نے کیا خوب بات کہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مالک سے سن سن کے جواب دے رہے ہیں۔

ابن وہب نے اسپر اپنی رائے کا اظہار یوں کیا۔

لعل مالکا کان یسمع اللیث یجیب فیجیب — شائد مالک لیث کو جواب دیتے سنتے تھے پھر جواب خود یدیتے تھے۔

ہاں ان سے مصالح مرسلہ استصلاح اور تعامل اہل مدینہ کے باب میں مخالف ضرور تھے۔ بہر حال لیث کا شمار ان فقہاء کے زمرہ میں کیا جانا بہتر ہے جو اصحاب الحدیث کہے جاتے ہیں۔ قیاس اور راے کا دائرہ ان کا اصحاب الرائے کی طرح وسیع نہ تھا۔ نہ بعض اصحاب حدیث کی طرح تنگ۔ سنہ ۱۶۴ میں اسماعیل بن الیسع کندی مصر کے قاضی مقرر ہوئے یہ امام ابو حنیفہ کے مقلد تھے اور اسی مسلک کے مطابق فیصلے کرتے یہ اوقات کی صحت کے قائل تھے اور امام ابو حنیفہ نہ تھے ان کے بارے میں ابن خلکان کا یہ قول محل نظر ہے۔

رائیت فی بعض المجامع ان اللیث کان حنفی المذھب[۱] اتحاف النبلا میں ہے " ابن خلکان گفتہ در بعض مجامع دیدم کہ وے حنفی مذہب بود[۲]
تاہم رائے اور قیاس کو کسی مرحلہ پر پہنچ کے یہ بھی استعمال کرتے کسی نے کم کم استعمال کیا ہے وہ اصحاب الحدیث کہلائے اور جنھوں نے زیادہ

---

[۱] الاثمار الجنیۃ فی طبقات الحنیفہ قلمی صفحہ ۱۳۶ [۲] اتحاف النبلا صفحہ ۳۳۷

سے زیادہ استعمال کیا وہ اصحاب الرائے کہے گئے۔

موضوع سخن میں کوتاہی رہیگی اگر ہم ان فقہائے اسلام کے خصائص اور ان امتیازات کو زیر بحث نہ لائیں جو مابہ الفرق بنے ہوئے ہیں اور انہیں استحسان استصلاح یا مصالح مرسلہ تعامل اہل مدینہ اجماع حیل شرعیہ وغیرہ کے ابحاث سب آجاتے ہیں۔

استحسان

کتاب و سنت کے علاوہ ماخذ اور مصادر شریعت میں فقہا نے قیاس کو بھی جگہ دی ہے اگرچہ فرقہ ظاہریہ کے علاوہ اور افراد بھی قیاس کو حجت شرعیہ بنانے کے منکر ہیں۔ لیکن اس انکار پر اصرار کے حدود کیا ہیں یہ محل نظر ہے۔ ہاں قلت اور کثرت بین الفقہا علی الاعلان ضرور ہے یعنی کسی نے قیاس کو اپنا معمول بہ کم بنایا اور کسی نے زائد۔ قیاس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مسئلہ کو جو کتاب و سنت سے ثابت ہے سامنے رکھ کے اس کی شبیہ کو اس پر منطبق کریں اور حلت و حرمت کا حکم لگا دیا جائے۔ لیکن استحسان میں قیاس کے ظاہری منطوق سے ہٹ جاتے ہیں اور اپنی ممارست فی الدین اور اپنا مزاج فقہی بن جانے کی بنا پر جسے گو الفاظ سے تعبیر نہ کر سکیں ائمہ ایک مسئلہ میں قیاس کے اقتضا کے خلاف حکم لگا دیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ فقہا نے قرآن اور سنت کو سامنے رکھ کے ہر باب کے متعلق کچھ اصول مقرر کر لئے ہیں

اور انہیں اصول کی بنا پر تمام پیش آنے والے مسائل پر حکم لگاتے ہیں۔ اس کے بعد جب کوئی مسئلہ ان اصولوں کے خلاف پڑے اور کوئی حدیث ان اصولوں کے خلاف سامنے آجائے اور اسپر عمل کرلیا جائے تو اسے استحسان کہتے ہیں۔

فکثیرا مایقول محمد بن الحسن الشیبانی فی المبسوط "استحسن" وادع القیاس فقد یکون استحسانہ رجوعاً لاثر یخالف مقتضی القیاس اور جوعا الی الاصول العامۃ[1]

اکثر اوقات امام محمد بن حسن شیبانی اپنی کتاب مبسوط میں استحسن وداع القیاس کے الفاظ استعمال کرگئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیاس کے خلاف کسی اثر پر عمل کرتے ہیں یا اصول عامہ مقررہ کے خلاف عامل ہیں

ایک قیاس کے موجب سے عدول کرکے جسے ضعیف سمجھتے ہیں ایک قوی قیاس کو پیش نظر کرلیتے ہیں یا کسی دلیل کی قوت ان کے نزدیک ایک دلیل سے اعلیٰ اور ارفع ہوتی ہے اور اسے مسئلہ کی حجت قرار دے لیتے ہیں یا کسی مسئلہ میں حکم یہ دیدیا حالانکہ اسی قسم کے دوسرے مسائل میں حکم کچھ اور ہی دیا تھا۔

وقال الکرخی الاستحسان ھو ان قطع المسألۃ عن نظائرھا لما ھو اقوی وذالک الاقوی ھو الدلیل یقابل القیاس الجلی الذی

تسبق الیہ اوہام المجتہدین کان از اجماعیا رقیاسًا خفیا[۱]

بعض کی رائے میں استحسان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اجتہاد کے مختلف
پہلوؤں کو مجتہد سامنے رکھ کے کسی ایسی وجہ کو جسے الفاظ سے تعبیر کر سکے
مسئلہ کی علت قرار دے لے۔

وقال ابو الحسین البصاری هو ترك الوجه من وجوه الاجتهاد
غیر شامل شمول الالفاظ بوجہ ہوا قوی منہ[۲]

استحسان کو انسائکلوپیڈیا آف اسلام میں ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے

THE LEGAL AUTHORITY IS JUSTIFIED IN DESISTING FROM A RULING SUGGESTED BY THE قیاس IF DUE CONSIDERATIONS SHOWED HIM THAT ANOTHER PROCEDURE WAS MORE SUITABLE TO THE CONDITIONS IN QUESTION"

مجتہد فقیہ قیاس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرنے میں برسر حق ہو گا اگر اس کے
غائر تفقہ اور عمیق تدبر سے یہ بات معلوم ہو کہ کسی دوسرے پہلو سے
ایک مسئلہ میں فتویٰ دینا زائد مناسب ہے۔

اصول فقہ کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قیاس خفی کو

---

[۱] کتاب الام جلد اول صفحہ ۲۰۲ [۲] احکام الاحکام آمدی صفحہ ۲۱۲ جلد ۴

استحسان کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر قیاس جلی کسی مسئلہ میں ایک خاص حکم کا متقاضی ہے لیکن ایک قیاس خفی جس پر ایک فقیہ مجتہد۔ کی نظر ہے اور وہ حکم سابق کا متقاضی نہیں تو مفتی مجتہد اس پر کاربند ہو سکتا ہے مثلاً سباع الطیور (شکاری پرندے) اگر برتن میں منہ ڈال کے پانی پی لیں تو نہ پانی نجس ہوگا نہ برتن کی نجاست کا حکم دیں گے اگرچہ قیاس جلی کا اقتضا یہ تھا کہ جب اس کا گوشت نجس ہے تو اس کا جھوٹا بھی نجس ہونا چاہئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح درندہ جانوروں کا جھوٹا نجس ہوتا ہے اس لئے کہ انکا گوشت نجس ہے۔ لیکن ایک مجتہد کی نظر ایک ایسے پہلو پر گئی جو نمایاں نہ تھا اور وہ یہ کہ پرندے چونچ سے پانی پیتے ہیں اور چونچ ایک ہڈی کی قسم ہے جو خواہ مردگی ہو یا زندہ کی شرعاً طاہر ہے لیکن درندے جانور زبان سے کھاتے پیتے ہیں اس لئے ان کے لعاب سے پانی نجس ہو جائیگا[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید فروخت میں کسی شرط لگانے سے منع فرمایا ہے لیکن ثمن مؤجل کی ضمانت کے طور پر اگر بائع مشتری سے یہ شرط لگائے کہ کوئی چیز رہن رکھا دے تو جمہور حنفیہ اس کو استحساناً جائز فرماتے ہیں[۲]۔ اسی طرح وقف میں اصل چیز یہ ہے کہ وقف اس چیز کا صحیح ہے جو مؤبد ہو اور دیرپا اس کے دیکھتے ہوئے کتابوں وغیرہ کا وقف صحیح ہونا چاہئے

---

۱ شرح المنار صفحہ ۲۰۵ ۲ فتح القدیر صفحہ ۲۲۱ شامی صفحہ ۱۲۷

چونکہ یہ معرض ہلاک میں سمجھی جاتی ہے اس لئے ان کو دوام نہیں حنفیہ اس کو استحساناً جائز رکھتے ہیں اسی طرح اس پانی کی بیع جو تالاب دغیرہ میں پیالوں کے ساتھ محفوظ نہ ہو جائز نہیں اس لئے کہ اول تو پانی کسی کی ملکیت نہیں اور اس صورت میں بیع مجہول ہو گی یا بائع کی ملکیت سے خارج لیکن بعض مشائخ حنفیہ استحساناً اس کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ فتاوی بزازیہ میں ہے

انہ اذا باع شرب یوم او اقل او اکثر فلا یجوز لعدم الملک قبل الاحراز والجہالتہ

اگر کسی نے ایک دن یا اس سے کم زیادہ پانی پینے کی مبیع تو جائز نہیں اس لئے کہ مبیع مجہول ہے اور اس کی بند حدی ہونے سے ملکیت نہیں ہوتی

لیکن اہل بلخ ایسا کرتے آئے اس لئے مشائخ بلخ نے اس کے جواز کا استحساناً فتوی دیدیا[۲]

زکواۃ بنی ہاشم کو دینا جائز نہیں اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الصدقۃ لا تنبغی لآل محمد انما ھی اوساخ الناس[۳]۔

صدقہ کا مال آل محمد کو نہ لینا چاہئے اسلئے کہ لوگوں کے (مالوں) کے میل کچیل ہیں

مسلم میں ہے

---

[۱] شامی و در مختار جلد ۳ صفحہ ۳۸۵-۳۸۷ [۲] فتاوی بزازیہ حافظ الدین الکردی جلد ۶ صفحہ ۱۲۱ برحاشیہ فتاوی عالمگیری و فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۱

[۳] بلوغ المرام جلد ۳ صفحہ ۲۴۳ و ۲۴۴

انها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد۔ زکوٰۃ محمد اور آل محمد کسی کے لئے جائز نہیں۔

لیکن استحساناً امام ابو حنیفہ نے اپنے زمانہ میں اس کو جائز رکھا اس لئے کہ نہ غنائم ہیں نہ لوگوں میں مستحقین کو دینے کا احساس جہاد وغیرہ چھوڑ دیا جس میں سے ان کو خمس کا $\frac{1}{5}$ دیا جاتا تھا

روی ابو عصمۃ عن الامام۔ ابو عصمہ نے امام ابو حنیفہ کا قول بیان انه یجوز الدفع الی بنی هاشم کیا کہ بنی ہاشم کو صدقہ ان کے زمانہ میں فی زمانه لان عوضها وعو خمس دینا جائز ہے اس لئے کہ $\frac{1}{5}$ غنیمت کے الخمس لم یصل الیهم لاهمال مال سے اب ان کی مدد نہیں ہوتی اسلئے الناس امر الغنائم وایصالها کہ لوگوں غنیمتوں کے اسباب یعنی جہاد الی مستحقیها واذا لم یصل الیهم وغیرہ کو چھوڑ رکھا ہے اور یہ اب المعوض عادوا الی المعوض الخ[1] مستحقین کو پہنچاتے نہیں جب ان کو صدقہ وغیرہ بدل نہ پہنچے تو پھر صدقہ ہی پہنچے۔

فقہ کی یہ ایک اصل کلی ہے کہ امین کے پاس اگر امانت تلف ہو جائے جو جب تک اس کی خود تعدی اور تقصیر کا ثبوت نہ ملے اسے ضامن نہ ٹھہرائیں گے۔ چنانچہ درزی یا دھوبی کے یہاں سے کپڑے ضائع ہو جائیں تو ان کا ضمان نہیں جب کہ یہ معلوم ہو کہ ان کی ضمانت

---

[1] شامی جلد ۲ صفحہ ۹۱۔

میں انھوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی تھی لیکن حنفیہ اور خاص کر امام ابو یوسف اور امام محمد ضمان واجب کرتے ہیں بشرطیکہ اس تلف ہونے کے اسباب میں آگ لگنا اور عام لوٹ نہ ہو اس لئے کہ خیانات اور بد دیانتیاں عام ہو گئی ہیں[1]۔ (مثلاً کسی موچی سے کہا کہ میرے لئے ایک خف تیار کر دو بنوانے والے نے صفت اور نوعیت بھی بیان کردی لیکن کسی مدت اور وقت کی تحدید نہیں کی اس صورت میں قیاس جلی کا اقتضاء یہ ہے کہ یہ معاملت شرعاً جائز نہ ہو اس لئے کہ یہ ایک معدوم چیز کی بیع ہو رہی ہے جو ابھی موجود نہیں ہے مجتہد کی نظر لوگوں کے تعامل پر گئی اور اس پہلو کو پیش نظر رکھ کے انھوں نے استحساناً اس معاملت کے جواز کا فتویٰ دیدیا۔ اسی طرح مثلاً نجس برتنوں کے پاک کرنے کا مسئلہ ہے کہ پانی سے اس کو جب دھو لیا جائے تو اسکی پاکی کا حکم لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ مقتضائے قیاس یہ تھا کہ پاک نہ ہو اس لئے کہ طہارت کے لئے عصر (نچوڑنا) شرط ہے تاکہ نجاست پانی کے ساتھ بہ کے نکل جائے۔ لیکن استحساناً ضرورت پر لحاظ رکھ کے اس کے طہارت کا فتویٰ دیدیا جاتا ہے۔ یا عام طور پر فقہاء حنفیہ بیع سلم[2]

---

[1] شرح مجلہ الاحکام جلد ۲ صفحہ ۷۱۸ ۔ ۲؎ وھو ابیع یتعجل فیہ الثمن وھذا من حیث اللغۃ وعند الفقہاء بیع عاجل بآجل (الھدایہ باب السلم صفحہ ۷۷) حافظ ابن قیم حادی الارواح جلد ۲ صفحہ ۲۰۱ میں لکھتے ہیں۔ اما السلم فمن ظن انہ علی خلاف القیاس توہم خلافت قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تبع ما لیس عندک فانہ بیع معدوم والقیاس یمنع منہ والصواب

کے جواز کا حکم دیتے ہیں۔ حالانکہ قیاس جلی اس کا مقتضی تھا کہ یہ معاملہ صحیح نہ ہو اس لئے کہ ایک معدوم شے کی بیع کی جاتی ہے جو شرعاً جائز نہیں۔ لیکن ایک حدیث اور اثر کے تحت اس کے جواز کا فقہا حکم لگا دیتے ہیں۔

یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ استحسان کی قیاس جلی کے مقابلہ میں ترجیح اسی شکل میں روا رکھی جاتی ہے جب علت استحسان قوی الاثر ہو جس طرح شکاری پرند کی شرعاً پاک منقار کا پاک پانی میں پڑنا اس نے ایک کھلے اور واضح قیاس کو کہ اس کے گوشت کی حرمت پاک پانی میں موثر ہو جائے اس کو بے اثر اور ضعیف بنا دیا۔

استحسان کوئی دراصل علیحدہ تشریع اسلامی کی اصل اور بنیاد نہیں ہے اور اس کو مسائل کی علت قرار دینا امام اعظم پر طعن طاعنین کا سبب نہیں ہوسکتا اس لئے کہ یہ دراصل قیاس کا ہی ایک پہلو ہے۔ صرف نام دور کھ لئے گئے ہیں۔ اگر ایک نماز پڑھنے والا نماز میں آیت سجدہ پڑھ جاتا ہے اور بجائے سجدہ کرنے کے رکوع کرے تو قیاس جلی کا مقتضی یہ ہے کہ اسپر سے سجدۂ تلاوت ساقط ہو جانا چاہیئے اس لئے کہ سجدہ تلاوت سے مقصود اظہار عبودیت اور خضوع بھی ہے۔ اور یہ بات رکوع میں بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن استحساناً اس کو روا نہیں رکھتے اور نہ اس کے

جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اس لئے کہ آیت قرآنی واسجد واقترب یا فاسجد واللہ واعبدوا سے سجدہ ہی کا حکم مستفاد ہوتا ہے اور یہ بات بھی الم نشرح ہے کہ سجدہ میں جو خضوع اور تعظیم ہے وہ رکوع میں نہیں۔

بہرحال جب مجتہد کی نظر ایک ایسی دلیل وعلت پر جائے جو قیاس کی دلیل کے مقابلہ میں دقیق تر ہو تو اسے بھی اصطلاح میں استحسان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص نے اپنا کسی پر قرضہ وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنا دیا اور قرضدار اسے وکیل تسلیم کرکے اسے قرضہ کی رقم ادا نہ کرے تو اس کو حکم دیا جائے کہ ادا کرے۔ لیکن اگر کسی نے کسی کو رقم کے علاوہ ایک اور امانت کے وصولیابی کے لئے وکیل بنایا اور امانت دار اسکی وکالت تسلیم کرتے ہوئے بھی امانت اس کے سپرد نہ کرے تو اس سے کچھ کہا نہیں جا سکتا حالانکہ قیاس کا اقتضا یہ تھا کہ جب رقم حوالہ کرنے کا اس کو حکم دیا جاسکتا ہے تو اقرار وکالت کے بعد امانت سپرد کر دینے کا بھی حکم دیدیا جائے مگر استحساناً اس کو روا نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لئے کہ وکیل کی وکالت کا ثبوت حصلاً باطل ہونے پر ودیعت جو ایک معین شے ہے تلف ہو جاتی ہے۔ اگر ایک ڈاکٹر بضرورت علاج یا آپریشن کسی کا ستر دیکھتا ہے تو استحساناً جائز ہے۔ اگرچہ قیاس کے قواعد عامہ کے لحاظ سے

ستر عورت ضروری اور لابدی ہے۔

استحسان لغوی اعتبار سے "حسن" سے مشتق ہے[1] فقہا میں سے مالکیہ اور احناف اس کے قائل ہیں۔ لیکن ابن حاجب اور آمدی کے مطالعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل بھی اس کے قائل تھے۔

وقد اختلف فیہ فقال بہ اصحاب ابی حنیفۃ واحمد بن حنبل وانکرہ الباقیون حتی نقل من الشافعی انہ قال من استحسن فقد شرع

امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں کتاب ابطال الاستحسان کے عنوان سے ایک چیپٹر الگ دیا اور دلائل ابطال سے بھی دو چار ہوئے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس میں حاکم یا مفتی بننے کی اہلیت ہے تو اسے کتاب و سنت یا اجماع یا قیاس کو سامنے رکھ کے فتویٰ دینا چاہیئے۔

ولا یجوز لہ ان یحکم ولا ان یفتی بالاستحسان اذ لم یکن الاستحسان واجبا۔۔۔ فرأیت اذا قال الحاکم والمفتی فی النازلۃ لیس فیھا نص خبر ولا قیاس وقال استحسن فلابد

اسے استحسان کی رو سے فتویٰ اور حکم نہ دینا چاہیئے اس لئے کہ استحسان ضروری چیز نہیں۔۔۔۔ میرے خیال میں کسی مسئلہ میں جہاں نص اور قیاس نہ ہو استحسان سے کام لے تو اسے یہ بھی خیال

---

[1] احکام الاحکام آمدی جلد ۳ صفحہ ۲۱۲

[2] احکام الاحکام آمدی جلد ۳ صفحہ ۲۱۲

ان یزعمان جائز الغیرہ [1] رکھنا چاہیے کہ دوسرا اپنی رائے میں استحسان سے کام لیگا اور ہر شہر والا اس کو مستحسن سمجھیگا اس سے کام لیگا ان یستحسن خلاف مثل حاکم فی بلا یقول استحسن و مضت بما یستحی جبکو

اس کے علاوہ اپنے رسالہ اصول فقہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وھذا یبین ان حراما علی احد ان یقول بالاستحسان اذا خالف الاستحسان الخبر والخبر من الکتاب والسنۃ عین یتوخی معناھا المجتہد لیصیبہ [2]

لیکن انھیں آمدی نے احکام میں لکھا ہے کہ شفیع کو شفع کا حق تین دن تک ہے یا کسی مکاتب کی رقم معینہ اور موعودہ سے اگر کچھ چھوڑ دیں تو جائز ہے اسی طرح اگر سارق بجائے داہنے ہاتھ کے بایاں ہاتھ سامنے کردے اور وہ کاٹ ڈالا جائے تو قیاس کا اقتضا تو یہ تھا کہ داہنا ہاتھ پھر کاٹ دیں لیکن استحسانًا انھوں نے اس کو روا نہ رکھا۔ اسی طرح اگر کوئی حمام میں جاکے چاہے جتنا پانی استعمال کرے اس کو بغیر تعین معاوضہ کے جائز رکھتے ہیں یا پانی پلانے والوں سے کوئی جتنا پانی پی لے جائز ہے۔ لیکن قواعد مقررہ کے نقطۂ نظر سے بیع کی جہالت کی بنا پر جائز نہ ہونا چاہیئے تھا مگر امام شافعی استحسانًا اس کے جواز کے قائل تھے۔ انھیں منکرین استحسان میں لیث بن سعد بھی آتے ہیں۔ جو استحسان کے قائل نہیں انکا کہنا ہے

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی صفحہ ۲۰۱ [2] رسالہ شافعی صفحہ ۱۹

کہ دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں لوگوں کے مفاد اور مضار پر نظر رکھنا ہے۔ "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" آیات قرآنی اور "لاضرر ولاضرار" حدیث نبوی ان کے پیش نظر ہیں اسلام کا یہی مغز اور یہی نچوڑ ہے۔

استصلاح و مصالح مرسلہ

مالکیہ کے نزدیک استحسان سے ملتی جلتی ایک اور چیز ہے اور اسے استصلاح یا مصالح مرسلہ (اے المصالح التی لم یقید اعتبارها بورود نص خاص بعینها) سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن حنفی مصالح مرسلہ کے قائل نہیں۔ آمدی کی تحقیق یہی ہے گو صاحب مدخل کا بیان اس کے خلاف ہے۔

لکن الحقیقۃ فی مذھب الحنفیۃ ھی غیر ذالک[1]

اس لئے کہ استحسان کی وہ صورت جس کی بنیاد ضرورت پر ہوتی ہے بالفاظ دیگر استصلاح اسی کو کہتے ہیں۔ "الاستصلاح لغۃ ھو عد الشئ واعتقادہ صالحا"

استحسان میں ایک اصول کلی سے جزئی کا استثنا ہوتا ہے جس طرح کہ ستر عورت کا چھپانا ایک کلی اصول ہے مگر بضرورت طبیب کے سامنے کھولنا ایک جزئی استحسان[2] ہے۔ اسی طرح پھل دار

---

[1] مدخل صفحہ ۱۴۱ ۔ [2] المستصفی الغزالی جلد اول صفحہ ۲۸۹ - ۲۸۷

درختوں کے پھلوں کا بیچنا جبکہ ابھی پورے طور پر نکل نہیں آئے ہیں اس کے متعلق شمس الائمہ فرماتے ہیں استحسن ذالک لتعامل الناس[۱] اس لئے کہ ان کے جوار کے لوگ انگور کے خوشے پورے طور پر نکل نہیں چکتے تھے کہ فروخت کر دیتے تھے۔ لیکن استصلاح میں اصول کلیہ سے انحراف اور استثنا نہیں ہوتا بلکہ مفتی کی نظر میں صرف لوگوں کی منفعت اور مضرت پر نگاہ ہوتی ہے۔ رہگئی منفعت اور مضرت انکا خیال دین نفس عقل نسل اور مال پر ملحوظ خاطر ہوتا ہے۔ امام شافعی جس طرح استحسان کے قائل نہیں اسی طرح استصلاح کے بھی منکر ہیں۔ بحالت جنگ۔ جہاد اگر کفار کے مقابلہ میں مسلمان مغلوب ہوئے اور کفار مسلمانوں کی ایک تعداد گرفتار کرلینگے پھر مسلمانوں نے کمک حاصل کرنے کے بعد دوبارہ مقابلہ کی تیاری کی لیکن کفار نے مسلمان قیدیوں کو سامنے کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا مسلمانوں کی جماعت ان مسلمان قیدیوں پر گولی چلائے جن کو کفار نے سامنے کر دیا ہے یا نہیں۔ مفتی استصلاحاً گولی چلانے کا حکم دیگا۔ اس لئے کہ اس شکل میں قلت کے فنا سے کثرت کی بقا ہے ورنہ کفار ان قیدیوں کو ہلاک کرنے کے بعد مسلمانوں کی جمعیت کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ یا مثلاً فتوحات اسلامیہ

---

[۱] رسائل ابن عابدین ۲/ ۱۴۰

میں وسعت ہوتی ہے۔ اور نظم و نسق حکومت کے پیش نظر گورنمنٹ مختلف محکمے اور کچہریاں اور دفتر قائم کرتی ہے مفتی ان کو برقرار رکھنے کا فتویٰ دیتا ہے یہ صرف استصلاح کے پیش نظر ورنہ اس کے لئے کوئی اصول کلی موجود نہیں۔

امام غزالی نے مستصفیٰ میں مصالح مرسلہ یا استصلاح کو تین اقسام میں تقسیم کر دیا ہے[1]۔ ضرورت۔ حاجت۔ اور تحسین مسلمانوں کی سوسائٹی کے بقا کے لئے دین، نفس، عقل، نسل اور مال کی حفاظت ضروری ہے اس لئے ان کے بقا کے لئے مفتی کسی مسئلہ کے جواز کا فتویٰ دے سکتا ہے۔ دین، نفس عقل وغیرہ کے بقا کے لئے کچھ حوائج ناگزیر ہیں اگرچہ ان سے بدقت گریز بھی ممکن ہے یا عادات اور اطوار اور معاملات کی خاطر کچھ سہولتیں یا تحسینات مطلوب ہیں اور ان کے قیام کے لئے مفتی فتویٰ دیدے یہ سب شکلیں استصلاح کی ہیں۔

اگر ایک مغصوبہ زمین پر غاصب نے ایک عمارت کھڑی کر دی کچھ دن بعد مالک زمین کو اس کا پتہ چلا تو اس کی اب صرف یہ صورت ہوگی کہ مالک سے کہا جائے کہ غاصب سے اس زمین کی قیمت لے لے۔ لیکن اگر وہ قیمت لینے پر راضی

---

[1] المستصفیٰ جلد اول صفحہ ۲۸۶-۲۹۱

نہو تو مفتی عمارت کے منہدم کرنے کا فتویٰ صادر کرائے گا اسکے برخلاف اگر ایک شخص کسی ریشم کے تاجر کے یہاں کچھ ریشم چرا لیتا ہے اور بعد کو کسی زخم کے سینے میں وہ ریشم استعمال کرتا ہے اور آپریشن کے بعد اسی مسروقہ ریشم سے ٹانکے لگواتا ہے ریشم کے مالک کو جب پتہ چلتا ہے تو اس کو ریشم کی قیمت دلوا دیجائیگی لیکن استحساناً زخم سے مسروقہ ریشم کو علٰحدہ کرنے کا فتویٰ نہ دیگا۔ قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج[1] اور امام محمد[2] شیبانی کی جامع صغیر میں استحسان کی امثلہ بہت مل سکتی ہے۔ فی الجملہ استحسان مالکیہ کے امام ابن العربی کے قول کے مطابق اقوی الدلیلین پر کاربند ہونے کو کہتے ہیں۔

الاستحسان عندنا وعند الحنفیہ ھو العمل باقوی الدلیلین[3]

اور استصلاح مفتی کی اس رائے کو کہتے ہیں جو وہ کسی مسئلہ میں قائم کرے اور اس کی سند میں نص کتاب یا سنت نہو نہ شرایع میں اپنے قیاس کے لئے کوئی امثلہ سامنے ہوں جن پر قیاس کرکے امام یا مفتی نے یہ حکم دیا یا فتویٰ صادر کیا ہے۔ یعنی ایسے امور جن کے ابطال اور اعتبار کی شہادت کسی نص معین سے نہ دی ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مختلف وفاتر دیوان

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۱۷-۱۱۲-۱۰۹ [2] جامع صغیر صفحہ ۱۷ [3] کتاب الحقوق المدنیہ صفحہ ۲۹-۲۷

الخراج بیت المال وغیرہ کا قائم کرنا باوجودیکہ انکی اصل کتاب وسنت میں نہ تھی استصلاح ہے۔ یا محمد بن سلمہ اور ضحاک بن قیس کے قضیہ میں کہ محمد بن مسلم اپنی زمین سے ضحاک بن قیس کے کھیتوں تک پانی پہنچانے کے لئے محمد بن مسلم کو نہر جاری نہیں کرنے دیتے تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن قیس کے حق میں استصلاحاً ڈگری دی اس لئے کہ اس سے فضیل کو فائدہ حاصل ہوگا۔ اور محمد بن مسلمہ کا کوئی نقصان نہیں[۱]۔ ایسے حکم پر عمل کرنے میں اختلاف خاص طور پر اس وقت ہوتا ہے جب یہ حکم کسی قیاس اور نص کے مخالف پڑے۔ چنانچہ مثلاً سرقہ کے اقرار کے لئے کسی کو مارنا یا سارق پر تشدد کرنا امام مالک کے نزدیک جائز ہے لیکن دوسرے ائمہ اس کے مخالف ہیں اس لئے کہ دوسری مصلحت اس مصلحت کے معارض ہے وہ سارق کی مصلحت ہے کہ بعض اوقات وہ بری ہوتا ہے اور مجرم کو سزا نہ دینا ایک بری الذمہ کو سزا دینے سے آسان ہے۔ یا وہ عورت جس کا شوہر لاپتہ ہو اس کے مرنے جینے کی خبر معلوم نہ ہو اس نے چند سال انتظار کیا اور شوہر سے علیحدہ رہنے میں نقصان اٹھایا چنانچہ امام مالک شوہر کی خبر نہ ملنے کے چار سال کے بعد عورت کو فتویٰ دیتے کہ وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالک نے زوج کی مصلحت کا

---

[۱] بدایۃ المجتہد لابن رشد جلد دوم صفحہ ۳۱۰ بحوالہ مدخل

لحاظ رکھا۔ فی الجملہ استصلاح یا مصالح مرسلہ میں کسی ایسے مقصد شرعی کی حفاظت کی جاتی ہے جس کا مقصد شرعی ہونا کتاب سنت یا اجماع سے تو معلوم ہو۔ لیکن اس کے قابل اعتبار ہونے کی شہادت کوئی اصل معین نہ دے سکے بلکہ اس کا مقصود ہونا حالات کے قرائن اور مختلف دلائل اور علامتوں سے فقیہ معلوم کرلے۔ اسپر عمل کرنے میں کوئی اختلاف نہ بھی ہوتا ہم جب اس کے معارض دوسری مصلحت ہو جائے تو مسئلہ مختلف فیہ بنجاتا ہے[۱]۔

استصلاح اور مسائل مرسلہ کے مویدین کا یہ کہنا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے پیش نظر مصالح اور مفاسد مسلمیں کی دیکھ بھال ضروری ہے اور یہ بات بھی متحقق ہی ہے کہ ماحول حالات اور زمانوں کے تغیر اور تبدل سے مصالح مفاسد بھی متغیر اور تبدل ہو جاتے ہیں۔ اس نکتہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر احکامات کا اجرا نہ ہوا اور مفتی فتویٰ نہ دے تو مسلمانوں کو اس سے گزند پہنچ جائیگا مذہب اسلام پر آنچ آجائیگی اور مخالفین متہم کریں گے کہ اسلام میں زمانہ کی رفتار کے ساتھ باقی رہنے کی صلاحیت نہیں ہے حالانکہ مذہب اسلام میں لازوال خصوصیات اور صفات موجود ہیں۔

اس عمل پر استصلاح کے منکرین یہ کہہ سکتے ہیں کہ شارع نے بعض مصالح کو معتبر سمجھا اور بعض کو معتبر نہیں سمجھا لہٰذا جس مصلحت کی بنا پر مفتی

---

[۱] المستصفیٰ غزالی بحث مصالح مرسلہ

حکم دے رہا ہے ممکن ہے وہ وہ مصلحت ہو جس کا اعتبار شارع کے نزدیک نہ ہو اگرچہ احتمال جانب مخالف کا بھی ہے لہٰذا کسی مصلحت کا مفتی کو اعتبار کر کے حکم لگانا ترجیح بلا مرجح ہوگا۔ لیکن اس اعتراض کا جواب یوں دیا جائیگا کہ مویدین استصلاح جزم اور یقین کے ساتھ تو اس کے معتبر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتے ہاں یہ کہتے ہیں کہ بظاہر اس کا شریعت میں اعتبار ہے یہ اعتقادی چیز نہیں اسلئے کہ اتنا ہی ظہور کافی ہے۔علاوہ ازیں جن مصالح کا شارع نے الغا کیا ان کی تعداد بہت کم ہے اور جن کا الغا کیا گیا ہے وہ اسلئے کیا گیا کہ اسکے لقا سے کئی مفسدے پیدا ہوتے تھے۔اب رہا منکرین کا یہ اعتراض کہ مصالح مرسلہ یا استصلاح کی حجیت برقرار رکھنے سے شریعت میں آزادی کی راہ کھلتی ہے۔اور ارباب ہوا و ہوس اپنے مفاد کی خاطر معمولی پڑھے لکھوں سے کسی مصلحت کو پیش کر کے فتوے لے لیا کریں گے اور رفتہ رفتہ شریعت کا نام لیتے ہوئے بھی قیود اور حدود شریعت سے باہر ہو جائیں گے۔اسکا جواب یہ ہے کہ استصلاح کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ جس میں کوئی دلیل یا نص شرعی تخصیص کے ساتھ ایسی نہ ہو جس سے مصلحت شرعیہ کی تطبیق ہوسکے یہ ایک مفتی عالم کا کام ہے کہ اس کو اجاگر کر کے فتویٰ دیدے لیکن عالم وہی معتبر ہوگا اور اسے مفتی کے فتوے پر کاربند ہو جائیگا جسے ذوق شریعت اور درجہ اجتہاد

حاصل ہو جائے یہ ذی عقل اور شعور کے کہنے سے مصلحت مصلحت شرعیہ نہیں بن سکتی یہ کام صرف مجتہد کا ہے اور صرف اس کا جسکی وسعت نظر اور عمیق بصیرت ذوق اور وجدان اسے مصلحت شرعیہ قرار دے بس۔

بہرحال موئدین اور مخالفین دونوں کے پاس استصلاح اور مصالح مرسلہ کی حجیت اور عدم حجیت کے دلائل اور براہین موجود ہیں اور اسلاف میں سے صحابہ اور تابعین دونوں کے یہاں اس پر عمل کرنے کے نظائر ملتے ہیں اور اب بھی اسپر عمل درآمد کوئی بڑی نکیر کا موجب نہیں ہاں مصلحت کو مصلحت شرعیہ قرار دیکے حکم صادر کرنا یہ صرف انہیں ہستیوں کا کام ہے جو روح شریعت سے واقف اور ذوق سلیم رکھتے ہیں اور جن کا مزاج مزاج فقہی بن گیا ہے اور ان کی وسیع النظری قواعد اور اصول مذہب کی گہرائیوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس لئے کہ آئے دن نئے نئے واقعات اور حوادث ایسے پیش آتے ہیں اور آتے رہیں گے جنکے جواز اور عدم جواز کے لئے کتاب سنت اجماع اور قیاس میں حل نہیں ملتا۔

قیاس استصلاح اور استحسان کے باہمی فروق

جس طرح قیاس پر عمل کا موجب کتاب سنت اور اجماع میں

واقعات اور حوادث کی موجودگی میں حکم خاص کا نہ پایا جانا ہے اسی طرح استصلاح میں بھی عمل اسی وقت کیا جاتا ہے۔ جب ان مصادر شریعت سے کسی مسئلے کے لئے حکم نہیں ملتا اس لئے اس نقطہ میں قیاس اور استصلاح دونوں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں نیز اس موقع پر دونوں کا اجتماع ہوتا ہے کہ جہاں دونوں میں ایک علت کو علت اور مصلحت کو مصلحت قرار دے لیا جائے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ قیاس میں علت اور مصلحت کی بنیاد کتاب سنت یا اجماع ہوتی ہے اس علت کو انہیں مصادر سے ایک مجتہد منتزع کر لیتا ہے۔ لیکن استصلاح میں ان مصادر میں علت یا مصلحت کا فقدان ہوتا ہے اور مجتہد بالکل اپنی صوابدید اور ذوق فقہی سے مصلحت کو محقق اور کسی مفسدہ کا دفعیہ اور ابطال کر دیتا ہے۔ قیاس میں جس مصلحت اور علت کو مدارِ حکم بنایا گیا ہے اس کے استحکام کے لئے انہیں مذکورہ مصادر میں ایک متعین دلیل موجود ہوگی لیکن استصلاح میں اس کے اظہار سے یہ مصادر ساکت ہوتے ہیں۔

اسی طرح استحسان اور استصلاح یا مصالح مرسلہ میں فرق یہ ہے کہ استحسان میں ایسے مسائل میں حکم ہوتا ہے حالانکہ اس کے نظائر اور اسی نوعیت کے دوسرے مسائل میں حکم دوسرا تھا لیکن استصلاح میں پورا مدار مجتہد کی صوابدید اور ذوق پر ہے

خاص کر ایسے وقت میں جب نظائر اور مشابہ مسائل کا فقدان ہو

اجماع و تعامل

رہ گیا اجماع و تعامل اہل مدینہ۔ مقدمہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اجماع کا مفہوم یہ ہے کہ شیخین رحمہ اللہ صحابہ کی ایک جماعت کو شریک مشورہ کر لیتے اور پھر جو فیصلہ ہوتا اسپر لوگ عامل ہوتے۔ اس کی مخالفت کوئی نہ کر سکتا تھا۔ اسی کو اجماع کہا جاتا۔ اس میں لیث دوسرے ائمہ کے ہمنوا اور ہم خیال ہیں۔ لیکن تعامل اہل مدینہ کو ایک ماخذ شریعت قرار دیتے ہیں۔ جیساکہ امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے انکو سخت اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالک نے لیث ابن سعد کو اس باب میں ایک خط لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے[1]

بلغنی انك تفتی الناس باشیاء مختلفة مخالفة لما علیه جماعة الناس عندنا وبلدنا الذی نحن فیه وانت فی امانتك وفضلك ومنزلتك من اهل بلدك وحاجة من قبلك الیك ... . حقیق بان تخاف نفسك علی نفسك وان تتبع ما ترجوا النجاة باتباعه فان الله تعالیٰ یقول فی کتابه (والسابقون الاوّلون من المهاجرین والانصار...

---

[1] کتاب مالک محمد ابی زہرہ صفحہ ۳۰۲

الا انه .... فانما الناس تبع لاهل المدینة التی بها نزل القرآن

پھر اس کے حجت شرعیہ ہونے پر مختلف دلائل لکھے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جب اہل مدینہ کسی عمل پر متفق ہوں اور وہاں کے علماء بھی شامل ہو جائیں تو اس کے مقابل حدیث صحیح اور قیاس کا کوئی وزن نہیں۔ لیکن کوئی عمل مجمع علیہ نہ ہو بلکہ اکثریت اسپر عامل ہو تو خبر واحد کے مقابل اس کو ترجیح دیجائیگی۔

غرضکہ امام مالک رحمہ اللہ جتنی عمل اہل مدینہ کو اہمیت دیتے اس کے لیث بن سعد قائل نہ تھے۔ امام مالک کے متعلق صاحب تشریع الاسلامی لکھتے ہیں۔

وقد اعطی مالک رحمہ اللہ لعمل اهل المدینة واتفاق فقہاءهم اهمیة کبری زادت علی اعتبارهما وسیلة من وسائل التفقہ بالحدیث

اس بارے میں لیث بن سعد نے ان کو ایک مفصل خط لکھا جسے کتاب الام میں امام شافعی اور اعلام الموقعین میں علامہ ابن قیم نے نقل کیا ہے[1]

رہا اجماع تو اجماع نقلی اور اجماع اجتہادی میں بھی ان کے نزدیک کوئی فرق نہیں اگرچہ اجماع اجتہادی کے مسئلہ میں علاوہ دوسرے ائمہ خود مالکیہ کے ائمہ میں اختلاف

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۳ صفحہ ۸۲ ومابعد

ہے بعض کی رائے ہے کہ اجتہاد کے ذریعہ سے جو اہل مدینہ کا اجماع منعقد ہو وہ حجت قطعیہ ہے اس کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جاسکتا ان کے اجتہاد کو دوسرے بلاد کے ائمہ کے مقابلہ میں ترجیح ہوگی۔ اور تیسری رائے یہ ہے کہ دوسروں کے اجتہاد کے بالمقابل محض اس لئے کہ یہ اہل مدینہ کا اجتہاد ہے اسے ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اجماع اسوقت حجت ہوگا جب تمام بلاد و امصار کے علما کسی امر پر اتفاق کرلیں[1]۔ لیکن باایں ہمہ اجماع سکوتی کے یہ قائل معلوم نہیں ہوتے اور ان کو اس باب میں اتنا تشدد ہے کہ فرماتے ہیں۔

لست اقول ولا احد من اهل العلم هذا مجتمع عليه الا لما لا تلقى عالما ابدا الا قاله لك وحكاه عمن قبله كالظهر اربع وكتحريم الخمر

کسی بات کے متعلق نہ میں کہہ سکتا ہوں نہ کوئی اہل علم کہ یہ مجمع علیہ ہے ہاں یہ صورت ایسی شکل میں ممکن ہے کہ تم کسی عالم سے جب جب ملو تو وہ اپنی طرف سے بھی کہے اور دوسروں کی طرف سے بھی جیسے ظہر میں چار رکعتوں کا ہونا یا شراب وغیرہ کی حرمت کا مسئلہ

امام احمد بن حنبل بھی اس باب میں شافعی کے مؤید ہیں رہ گئے

[1] کتاب الشافعی صفحہ ۲۸۹

احناف ان کا کہنا بھی یہی ہے کہ جب تک تمام بلا دِ امصار کے علماء متفق نہ ہوں وہ اجماع حجت نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اما الاحناف فی ذالک فقد ذہبوا کالشافعی من جہۃ ان الاجماع انما ہو اتفاق جمیع العالمین من الامۃ فی زمن علی امر من الامور۔[1]

لیکن باایں ہمہ احناف اجماع سکوتی کے قائل ہیں یعنی کسی معاملہ میں ایک عمل پر تمام علما سکوت اختیار کر لیں تو یہ حجت شرعیہ بن جائیگا۔ مثلاً بعض مفتیوں نے کسی مسئلہ میں ایک فتویٰ دیا اور دوسرے علماء نے اسے سنکے سکوت اختیار کیا تو یہ رضا کی دلیل سمجھا جائیگا۔ صاحب حصول المامول نے اس باب میں جو تصریحات کی ہے ان کا خلاصہ یہ ہے اگر اہل مدینہ انفراداً کسی امر پر اجماع کر لیں تو یہ مطلقاً جمہور کے نزدیک حجت شرعیہ نہیں۔ صرف امام مالک کی رائے اس کے خلاف ہے۔ علامہ باجی نے اس مسئلہ کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اگر نقل مستفیض کے طور پر خلفاً عن سلفٍ اہل مدینہ کسی چیز پر عامل ہیں تو یہ چیز حجت بن سکتی ہے۔ مثلاً اہل مدینہ اذان اس طرح دیتے ہیں اور اقامت اس طرح کہتے ہیں یا ان کے درمیان صاع اور مد کا رواج یوں ہے

---

[1] کتاب ابوحنیفہ صفحہ ۳۰۹ [2] حصول المامول صفحہ ۷۵

یا ترکاریوں کی پیداوار پر زکوٰۃ نہیں دیتے تو ان کا یہ عمل اور اجماع دوسروں کے لئے حجت بن جائیگا۔ اس لئے کہ عہد نبوت سے وراثتہً یہ اس عمل کے وارث بنتے رہے۔ سنا تو یہی دیکھا تو یہی اگر اس کے خلاف عہد نبوت سے منقول ہوتا تو اس کی ان کو اطلاع قریب العہد والزماں ہونے کی وجہ سے ضرور ہوتی۔ بعض علما کی رائے میں اجماع نقلی پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کے مقابلہ میں آثار اور قیاسات کو بھی ترک کر دیا جائیگا۔ لیکن اجماع استدلالی میں علما کا اختلاف ہے بعض کی رائے میں اہل مدینہ کے اجماع استدلالی کو ترجیح ہوگی۔ بعض کی رائے اس کے برخلاف اور استدلالی کے معارض اگر حدیث ہو تو اس کو ترجیح دیجائیگی۔ اہل مصر اور کوفہ بصرہ کے علماء کا اجماع کوئی حجت نہیں۔ بعض کی رائے میں ائمہ اربعہ شافعی احمد بن حنبل امام مالک ابو حنیفہ کا اجماع بھی قابل حجت نہیں بعض علماء کی رائے میں خلفاء اربعہ حضرت ابوبکر حضرت عمر۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم کا اجماع بھی حجت نہیں۔ بعض کی رائے اس کے خلاف بھی ہے۔ اسی طرح خاندان نبوت کا اجماع اور تعامل بھی سوائے فرقہ زیدیہ اور امامیہ کے کسی کے نزدیک حجت نہیں[۲] ہے۔ اعلام الموقعین میں ابن قیم نے تعامل کو مطلقاً حجت شرعیہ بنانے پر خاصا لکھا ہے

---

[۱] حصول المامول صفحہ ۷۵ [۲] اعلام الموقعین جلد ۲ صفحہ ۴۳۴

اور اپنے مسلک کی تائید میں یہ فرمایا ہے۔

فان عمر کان اذا کتب الی بعض الامراء بسنتہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عمل بھا و لولم یکن معمولا بھا فی المدینۃ

اگر حضرت عمر کے پاس بعضے دیہاتی ایک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے تھے تو اہل مدینہ کا یہ عمل معمول بہ نہ ہونے کے باوجود آپ اس پر عمل کرنے لگتے تھے۔

ان کا کہنا ہے کہ اگر صحابہ کی ایک خاص جماعت کسی شہر میں رہ پڑے تو عمل اہل مدینہ اور ان کے عمل میں فرق ہوگا۔ مزید لکھتے ہیں کہ کیا تمام شہروں میں بسنے والوں پر مدینوں کی پیروی اور تقلید واجب ہو جائے گی۔ پھر ان کی مخالفت ہو ہی نہیں سکتی

ھذا یوجب ان یکون جمیع الامصار بتعا للمدینۃ فیما یعملون وانہ لا یجوز لہم مخالفتہم فی شیءٍ[1]

حیل شرعیہ

ہمارے فقیہ مصر لیث بن سعد کو دوسرے فقہاء سے مسلک کا جن جن امور میں اختلاف رہا ان میں علاوہ امور متذکرہ بالا ایک حیلہ شرعی بھی اور ہے۔ ان کی فقہ میں بظاہر اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ امام اعظم امام ابوحنیفہ کی

---

[1] اعلام صفحہ ۲۴۴

نے اس کو بیشتر جگہ دی اور حقیقۃً متاخرین حنفیہ کے عمل کو اس میں بہت کچھ دخل رہا۔ طلاق کے معاملات اور ابواب میں جگہ جگہ اس کا استعمال ایمان اور قسموں کی بحثوں میں محل محل سے اس کے تذکرے اس کے اشارے شفعہ سرقہ اور وصیت کی تفصیلیں بہت سی جگہوں میں اس رنگ سے رنگیں۔ اور شائد اس کے کثرت استعمال کے باعث ہی حنفی اس میں زائد یہ نام بھی ہوگئے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اماموں میں دوسرے ائمہ بھی ہیں جنکے یہاں اس کا استعمال ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے قیاس کے باب میں کہ نقادوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کی بنیاد گویا قیاس پر قرار دے لی۔ حالانکہ اسکے استعمال سے دوسرے بری نہیں۔ خطیب بغدادی[۱] نے یہاں تک لکھدیا کہ قیاس کے یہ ایسے خوگر تھے کہ مذہبی معاملات کو چھوڑ کے روزانہ کی زندگی میں بھی ان کے یہاں قیاس کے استعمال کی بہتات تھی۔ ایک بار حجام سے کہا کہ سر یا ڈاڑھی سے سفید بال موچنے سے پکڑ کے نکال دے۔ حجام نے کہا کہ حضرت اگر ایسا کرائیں گے تو سفید بال اور نکل آئیں گے چنانچہ امام صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہے تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ سیاہ بال نچوانے سے سیاہ

---

[۱] تاریخ خطیب

نکلیں گے۔ تو سیاہ بال ہی نوچ دے۔

فی الجملہ یہ کہ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اس کی شناعت اور اس کے کثرت استعمال پر نکیر کی ان کی رائے ہیں اس کا انتساب غیر مفید طور پر ان ائمہ کبار کی طرف صحیح نہیں۔ ابناء علم و زمانہ نے اس کو ان کی طرف منسوب کر دیا۔ بھلا کہاں علماء اور کہاں حیلۂ شرعی اس لئے کہ شریعت اسلامیہ کو اس سے بڑی بڑی مضرتوں کے پہنچنے کے احتمالات ناشی ہوتے ہیں اس سے فی الجملہ مفاسد کا فتح الباب ہوتا ہے۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ کے ضابطوں میں مفاسد کا سد باب مقصود ہوتا ہے۔

ان کا کہنا ہے۔

ان المتاخرين احدثوا حيلاً	متاخرین۔ حیلوں کے استعمال کی
لم يصح القول بها عن احد	ایجاد کو اماموں میں سے کسی کیطرف
عن الائمة ونسبوها الى	... منسوب نہیں کر سکتے نہ کسی نے
الائمة وهم مخطئون فى	اسکے متعلق کہا لوگوں نے منسوب کر دیا
نسبتها اليهم[1]	اور اس نسبت کرنے میں خطاوار ہیں

علامہ شاطبی نے اس کے ابطال اس کی مذمت اور اس کی بندش پر موافقات میں بہت کچھ لکھا ان کی رائے میں جن حیلوں

---

[1] اعلام الموقعین جزء ثالث صفحہ ۲۱۸-۲۵۳ [2] الموافقات جلد ۲ صفحہ ۲۷۱

سے اصول شرعیہ کا ابطال ہو جائے ۔ اور جن سے مقاصد دینیہ کو ٹھیس لگے ان کا استعمال کتنی نامناسب اور بے جا بات ہے ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ۔ اور شرعاً محظور رہے ۔ لیکن ان مقاصد اور مصالح کے بقا یا فنا کے لئے جن کا شرع میں چنداں اعتبار نہیں اگر حیلۂ شرعی یا کسی تدبیر کو استعمال کر لیا جائے تو نہی اور ممانعت کے عموم میں داخل نہیں ۔

فان فرضنا ان الحیلۃ لا تھدم اصلا شرعیا ولا تناقض مصلحۃ شھد الشرع باعتبارھا فغیر داخلۃ فی النھی ولاھی باطلۃ[1]

گر یہ بات ہم مان لیں کہ حیلہ سے اصل شرعی کا انہدام نہیں ہوتا نہ اس سے کسی ایسی مصلحت میں رخنہ پڑتا ہے جس کا شرع میں اعتبار ہے تو ایسا حیلہ اور تدبیر نہ اس کا بطلان روا ہے نہ وہ نہی کی حد میں آتا ہے

فان الشارع یسد الطریق الی المفاسد بکل ممکن والمحتال یفتح الطریق الیھا[2]

شارع مفاسد کی ہر ممکن طریق سے بندش کرتے ہیں اور ایسے حیلہ شرعی کا مرتکب فتح باب کرتا ہے ۔

ایک شخص جو اتنے نصاب مال نقدی غیر نقدی یا مویشی وغیرہ کا مالک ہے کہ سال گذرتے اور حولان حول ہوتے ہی

---

[1] الموافقات شاطبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ [2] اعلام جلد ۳ صفحہ ۱۳۶

اسپر زکوٰۃ فرض ہو جائے لیکن وہ زکوٰۃ کو اپنے سے ساقط کرنے کے لئے حولاں حول (سال گذرنے) سے قبل ہی مثلاً اپنی زوجہ کی طرف ہبہ زبانی سے کل مال منتقل کر دیتا ہے یا مقدار نصاب کم کرنے کے لئے کچھ حصہ کسی کو دے دیتا ہے یہ شرعاً پسندیدہ نہیں۔

ان یتصدق بدرھم منہ قبل التمام او یھب النصاب لابنہ الصغیر یعنی حتی یکون النصاب ناقصافی آخر الحول او یھب تلک الدراھم لابنہ الصغیر قبل تمام الحول بیوم .... الفتوی علی عدم جواز الحیلۃ لاسقاط الزکوٰۃ وھو قول محمد وھو المعتمد[1]

سال ختم سے پہلے ایک درہم کسی کو دیدے یا پورا مال نصاب اپنے چھوٹے لڑکے کو ہبہ کر دے تاکہ سال ختم ہونے کے قبل نصاب گھٹ جائے یا سب دراہم اپنے چھوٹے لڑکے کو ایک روز سال ختم سے پہلے ہبہ کر دے تو فتویٰ ایسے حیلہ کے عدم جواز کا ہے جو زکوٰۃ ساقط کرنے کے لئے کیا جائے اور یہی امام محمد صاحب فرماتے ہیں اور یہی قول معتمد علیہ ہے۔

یا اسی کے مثل کسی تدبیر یا حیلہ کو شرعی رنگ اس لئے دینا کہ ناحق اموال اور املاک پر قبضہ کر لیا جائے کسی کی اس سے

---

[1] الاشباہ والنظائر صفحہ ۶۹۵ کتاب الخراج صفحہ ۲۷۶ جلد ۱۲

آبرو ریزی کی جائے یا کسی کی جان پر بن آئے یہ حیل شرعیہ
حرام قطعًا حرام ہیں ایسے حیلوں کا بتانا حرام ایسے حیلوں کی
تعلیم حرام اور ایسے حیلوں کی بنیاد پر فتوے دینا سب حرام
اس باب میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے کا خلاصہ یہ ہے

ولا یحل لرجل یومن باللہ والیوم الآخر منع الصدقة ولا اخراجها عن ملکه لملك غيره ليفرقها بذالك فتبطل الصدقة عنها بان يصير لكل واحد منهما مالا تجب فيه الزكوة ولا يحتال في ابطال الصدقة بوجه[1]

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے کے لئے صدقہ نہ کرنا حلال نہیں نہ ہی یہ حلال ہے کہ اپنی ملکیت سے مال نکال کے دوسرے کی ملکیت میں دیدے کہ اسکو صدقہ دینا نہ پڑے وہ اس طرح کہ دینے والے اور جس کو دیا ہے دونوں کے پاس اتنی مقدار رہجائے کہ جس میں زکوٰۃ کا وجوب نہیں صدقہ کے ابطال کے لئے حیلہ کسی صورت میں نہ کرنا چاہئے

امام محمد شیبانی جن کی طرف کتاب المخارج فی الحیل کتاب کی تالیف کی نسبت کی جاتی ہے[2]۔ اور جسے استاد یوسف شخت نے ۱۹۳۰ء میں بعد تصحیح شائع بھی کر دیا ہے گو اس انتساب میں ناقدین کو اختلاف ہے چنانچہ صاحب الاشباہ والنظائر لکھتے ہیں

---

[1] فتح الباری شرح بخاری ۔ [2] ضحی الاسلام جزء ثانی صفحہ ۱۹۰

قال ابو سفیان کذبوا علی محمد لیس لہ کتاب الحیل[1] — ابو سفیان نے فرمایا امام محمد پر لوگوں نے جھوٹ باندھا ان کی کوئی کتاب الحیل نام کتاب نہیں ہے۔

ان کے متعلق حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ابو حفص کبیر جو محمد بن حسن کی کتاب الحیل کے راوی ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ جس حیلہ شرعی سے کسی مسلم کا حرام کے ارتکاب سے بچاؤ ہوتا ہو یا جس کے ذریعہ ایک فعل حلال کی توفیق ہوتی ہے تو ایسے حیلہ شرعی میں کچھ حرج نہیں لیکن کسی کے حقوق کے ابطال یا ابطال کا اثبات اور احقاق ہوتا ہو یا اس کے ذریعہ کسی کے حقوق میں شبہ و شک پیدا ہو جائے تو یہ مکروہ ہے اور ظاہر ہے کہ امام محمد کے نزدیک جب مکروہ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے وہ فعل مراد ہوگا جو اقرب الی الحرام ہو[2]

عینی شرح بخاری میں امام محمد بن الحسن الشیبانی کا قول نقل کیا ہے۔

عن محمد بن الحسن قال لیس من اخلاق المؤمن الفرار عن احکام اللہ تعالی بالحیل الموصلۃ الی ابطال الحق[3] — امام محمد بن حسن نے فرمایا کہ احکام الٰہی کی بجا آوری سے فرار مومن کے اخلاق سے کوئی علٰحدہ چیز ہے کہ یہ وہ حق کے

---

[1] الاشباہ والنظائر صفحہ ۴۹۲ [2] فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۸۰ — ۴۷۹

[3] عینی شرح بخاری

ابطال کے لئے حیلے تراشے۔

علامہ شاطبی نے موافقات میں جہاں حیلہ شرعیہ کے مسئلہ پہ بحث کی ہے اور انواع جائزہ اور غیر جائزہ پر روشنی ڈالی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ اگر ان حیلوں کے ذریعہ دوسروں کے مالوں پر قبضہ کرنا ان کو ظلم کے شکنجے میں کسنا اور انکا ناحق خون بہانا اس کے ذریعہ آپس میں تفرقے ڈالنا یہ امور مدنظر ہوں تو اس کے حرام ہونے میں دو قول نہیں ہیں ایسے حیلے حرام قطعاً حرام ہیں۔ ہاں کسی حیلہ شرعی سے اگر کسی کی جان بچتی ہو کسی کے ظلم سے چھٹکارا ملتا ہو اور کسی کو جائز مال کی یافت ہوتی ہو آپس کے بگڑے تعلقات شگفتہ ہوتے ہوں افراد اور سوسائٹی کو منفعت بخش ہو تو ایسے حیلے کے جواز میں بھی دو قول نہیں[۱] ان کی تحقیق کے مطابق اسے تین انواع میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک تو وہ حیلے جن کو گو شریعت کا رنگ دے لیں تاہم باطل ہیں۔ مثلاً منافق اپنے ضمیر کے اخفا کے لئے حیلہ کرے یا ریاکار اور دکھلاوے والے لوگ جو خلاف واقع امور کا اظہار کریں۔ دوسری نوع وہ ہے جن کے جواز میں علماء امت کو اتفاق ہے۔ مثلاً کسی پر جبر اور اکراہ کیا جا رہا ہے وہ کلمہ کفر کو اپنی زبان سے ادا کرے ورنہ قتل کر دیا جائیگا چنانچہ یہ استعمال کر لیتا ہے حالانکہ اس کے اعتقاد میں تبدیلی نہیں ہوتی اور اس ظاہری

---

[۱] موافقات جلد ۲ صفحہ ۲۷۰۔

تدبیر اور حیلہ سے اس کی جان بخشی ہو جاتی ہے۔
اسی طرح کوئی کافر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اپنی جان بچانے کے خاطر زبان سے پڑھ لیتا ہے اسلام کی تلوار کو اس سے سروکار نہیں۔ تیسری قسم کے جواز میں البتہ علما کی آرا میں اختلاف شدید پیدا ہوا کہ ایسا حیلہ جائز ہے یا نہیں اور ایسے حیلہ کے باب میں شریعت کا مطمح نظر متفقہ طور پر واضح نہیں چنانچہ اما الثالث فهو محل الاشكال والغموض وفيه اضطربت انظار النظار من جهة انه لم يتبين فيه بدليل واضح قطعي لحاقه بالقسم الاول او الثاني[1]
علامہ شاطبی اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ یہ مفتی اور عالم کی رائے پر موقوف ہے اگر ایک مفتی اور عالم سمجھتا ہے کہ اس سے کوئی مصلحت شرعیہ فوت نہیں ہوتی تو اسے جائز قرار دے اور ایک دوسرے مفتی کے نزدیک فوت ہوتی ہے تو ایسا حیلہ شرعی استعمال کرنا ممنوع ہے۔
نصار هذا القسم من هذا الوجه متنازعا فيه التهادة المتنازعين[2]
بانه غير مخالف للمصلحة فالتحيل جائز او مخالف فالتحيل ممنوع[3]
بہر کیف اگر حیلہ شرعی کے ذریعہ کسی معصیت کے ارتکاب سے

---

[1] موافقات جلد ۲ صفحہ ۲۷۱ [2] الموافقات [3] اعلام الموقعین جلد ۳ صفحہ ۲۵۳ و فیض الباری صفحہ ۴۷۹ جلد ۴

کنارہ کش ہونا مطلوب ہے تو یہ امر مستحسن ہے اور اگر کسی کے حق کا تلف کرنا اور مارنا ہو تو گناہ بد تر گناہ - وضابطہا ان کان الفرار من الحرام والتباعد من الاثم فحسن وان کان لابطال حق لمسلم فلا ..... بل ھی اثم وعدوان -

شیخ المحدثین مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے تحقیق ہی کہ حیلہ شرعیہ کا عام طور پر استعمال جائز نہیں ہاں اگر دفع حقوق کے لئے ہو تو جائز ہے - جن علما نے امام ابو یوسف جیسے علماء حنفیہ کی طرف مطلقاً حیلوں کے جواز کا انتساب کیا اور امام ابو یوسف کی لمتیری عبارت کا مفہوم نہ ظاہر کیا یہ ان کی بڑی کوتاہی ہے - دفع حقوق کے لئے حیلہ کے استعمال کا جواز دیکھکے لوگ اس سے غلط فائدے حاصل کرنے لگے - بھلا کہاں اسلام اور کہاں مکر و فریب اور چال بازیوں کی باتیں - اسلام تو ان برائیوں کے قلع قمع کے لئے آیا -

در اصل حیلہ شرعی کا نفاذ فقہ حنفیہ میں اس وسعت کے ساتھ متاخرین فقہا کے کثرت عمل سے ہوا اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ امام ابو یوسف اور دوسرے ائمہ مثلاً حصاف وغیرہ نے اس موضوع پر کتابیں بھی تصنیف فرمائی تھیں اگرچہ یہ اور دوسرے ائمہ جو اسکے جواز کے قائل ہوئے ہیں تو اس کے واسطے سے احقاق حق اور احباط باطل انھیں منظور رہے کہ کچھ اور نفس حیلہ اور تدبیر سے

مسئلہ کے جواز میں کچھ زائد اختلاف آراء نہیں۔ طریقہ نفاذ اور اس کے صورت نفاذ پر گفتگو ہے۔ کتاب اللہ سے نفس حیلہ کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت ایوب پیغمبر نے حالت ابتلا میں اپنی پاکدامن زوجہ کو غصہ میں سو چھڑیاں مارنے کی قسم کھائی تھی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے قسم میں جھوٹا نہ ہونے کی خاطر حضرت ایوب کو حکم ہوا کہ ایک گچھا بناؤ جس میں سو چھڑیں ہوں اور ان کو اس طرح مارو کہ سب چھو جائیں۔ اس حیلہ سے حضرت ایوب حانث ہونگے۔ وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث۔

اسی طرح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی نظیر موجود ہے کہ ابوامام بن سہل نے کسی انصاری کا بیان کردہ بیان کیا کہ کوئی شخص ایسا بیمار پڑا کہ اس کی وجہ سے اس کی ہڈی پسلی صرف رہ گئیں۔ انکے پاس کوئی جاریہ آئی جس سے اس نے ارتکاب زنا کر لیا۔ جب لوگ اس کی عیادت کو آئے تو ان سے واقعہ بیان کیا اور درخواست کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں فیصلہ لیں چنانچہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکے بیان کیا اور ادھر اس کی انتہائی لاغری اور مرض کا بھی ذکر کیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر اس طرح حد جاری کی جائے کہ بجائے سو حد کوڑوں کے جو شرعی حد ہے سو تیلیوں کا ایک گچھا لیکے اس طرح اس کے بدن سے لگادیں کہ سب لگ جائیں اس طرح حد زنا کا حیلہ

کیا گیا [1]

اس کے علاوہ آیت قرآنیہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا سے بھی نفس جواز حیلہ کا استدلال کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم کو یہ استدلال پسند نہ آیا اور انھوں نے اعلام الموقعین میں اس کے جوابات دیئے ہیں۔[2] صورت الفاظ میں حافظ ابن حجر فتح الباری میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ علما نے حیلوں کی تین قسمیں کی ہیں اگر ابطال حق اور اثبات باطل کیلئے انکیں ذریعے بنائیں تو حرام۔ اور اثبات حق اور دفع باطل کے یہ وسیلے ہوں تو کسی صورت میں واجب اور کسی صورت میں مستحب اور اگر کسی مکروہ میں ملوث ہونے سے اسکے ذریعہ احتراز اور بچاؤ ہو تو مستحب اور مباح۔ اگر ایک حیلۂ شرعی کسی مندوب کے ترک کا ذریعہ بنتا ہے تو اسکا استعمال مکروہ [3]

اختلاف صرف صورت اولی کے جواز اور عدم جواز میں ہے۔ کہ اسے مطلقاً جائز رکھا جائے یا مطلقاً ناجائز قرار دیا جائے ہر فریق کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں۔ ایک شخص تنہا ظہر کی نماز پڑھنے کھڑا ہوا چوتھی رکعت تھی کہ مسجد میں جماعت کے لئے اقامت

---

[1] بذل المجہود شرح ابی داؤد کتاب الحدود صفحہ ۱۵۵
[2] اعلام الموقعین جلد ۳ صفحہ ۱۵۶ ما بعد
[3] فیض الباری صفحہ ۱۷۹

ہوئی اور جماعت شروع ہو گئی اسے جماعت میں شامل نہ ہونے کا
قلق لاحق ہوا اور یہ بھی کہ جو پڑھ چکا ہے وہ بھی فاسد نہ ہو
ایسا شخص یہ حیلہ شرعی اختیار کرے کہ چوتھی رکعت پر قعدہ
اخیرہ کے لئے نہ بیٹھے اور پانچویں چھٹی رکعتیں پڑھ لے۔ اس کا
نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی فرض نماز جس کی نیت کئے ہوئے تھا
امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک نفل میں تبدیل
ہو جائے گی اس طرح یہ سلام پھیر کے اب امام کے ساتھ شریک
ہو جائے اس کی پچھلی ادا کی ہوئی رکعتیں نفل شمار ہو جائینگی[1]
اگر چار ختم کر کے جماعت میں شریک ہوا تو جماعت کا ثواب ملیگا
نہ کہ ظہر با جماعت کا۔

اسی طرح اگر کسی نے یہ قسم کھا رکھی کہ ابکی بار رمضان میں روزہ
نہ رکھوں گا اور اگر رکھوں تو میری بیوی پر تین طلاقیں اب ایسی
تدبیر اور ایسا حیلہ کہ قسم بھی نہ ٹوٹے کفارہ بھی نہ دینا پڑے
اور بیوی کو طلاق بھی نہ ہو یہ ہے کہ رمضان آتے ہی ایسے سفر پر
روانہ ہو جائے جہاں ۴۸ میل کی مسافت ہو[2] کتب فقہ میں جہاں
مصارف زکوٰۃ اور صدقات کی تصریح کی ہے وہاں یہ بھی بیان
کر دیا گیا ہے کہ اس طرح کے مال سے کسی کے گور و کفن نہیں
کیا جا سکتا۔ یہ جائز نہیں۔ لیکن صورت پیش آئی کہ ایک موت

---

[1] الاشباہ والنظائر صفحہ ۴۰۱ [2] فتاوی تاتارخانیہ عن الذخیرۃ۔

ہوئی جس کے ورثا غیر مستطیع اور اس کے ترکہ میں لقدر کفن موجود نہیں۔ آیا اس صورت میں کسی سے زکوٰۃ کی مدد سے لے کر اس کام کو کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ فقہا اس کے لئے یہ حیلہ بتاتے ہیں کہ ایک تعداد کسی فقیر اور مستحق زکوٰۃ کو دیدی جائے اور وہ اس کا مالک قرار دیا جائے۔ پھر یہ فقیر اس حاصل کردہ رقم سے اس کی تکفین اور تدفین کرے اس صورت میں ثواب دونوں کو مل جائیگا۔ مال والے کو ادائے زکوٰۃ کا اور فقیر کو اس کام میں خرچ کرنے کا۔

اسی طرح اگرچہ مسجد اور لواحقات مسجد میں بھی زکوٰۃ کا مال خرچ نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کی بھی تدبیر شرعی یہی ہے کہ کسی فقیر مستحق کو یہ رقم دیدیں اور وہ اسے مسجد میں لگا دے۔ آج مسلمانوں کے مذہبی ادارے یتیم خانے اسلامی مدرسے انکے علاوہ سماجی اور جماعتی مصارف زکوٰۃ۔ صدقات فدیہ اور چرم قربانی وغیرہ کے بل بوتوں پر چل رہے ہیں اور زیادہ تر یہی مداخل ان کے پشت پناہ ہیں مدرسین کی تنخواہیں طلبہ کے اخراجات عملہ کے مشاہرے انہیں مدات سے ادا کئے جاتے ہیں حالانکہ انہیں ارباب ثروت و غنا بھی ہیں اولاد بنی ہاشم بھی ہیں سادات ہیں اور خود مالکین نصاب بھی۔ طلبہ میں بھی جز دیا کلاً یہی صفات پائی جاتی

لہ شامی صفحہ ۱۶ جلد ۲ ؎ الاشباہ والنظائر صفحہ ۳۹۹

ایسا ہونا نہ چاہیئے اس لئے کہ شریعت کے معینہ مصارف زکوٰۃ صدقات وغیرہ کے حدود میں یہ کسی تاویل سے بھی شائد داخل نہ ہو سکتے مگر صرف تملیک کے ایک حیلہ شرعی کے واسطہ اور ذریعے سے یعنی یہ رقوم موصولہ ارباب ادارہ جات کسی مستحق کو دیں اور وہ ان اداروں کو ہبہ کردے۔

کتب فقہ میں بہت سے فرضی مسائل پیدا کر کے علماء کے سامنے پیش کرنے کی امثلہ ملتی ہیں اور پھر علماء امت نے ان کے جو جوابات دیئے وہ منقول ہیں۔ مثلاً ایک عورت اوپر جانے کے لئے سیڑھی کے بیچ ڈنڈے پر کھڑی ہے شوہر اس سے کہتا ہے کہ بخدا اگر تو نے ایک قدم اوپر رکھا تو تجھے تین طلاقیں اور اگر ایک قدم نیچے اتارا تو بھی یہی۔ اب حیلۂ شرعی کیا کیا جائے کہ طلاق بھی عورت پر نہ پڑے اور شوہر کی قسم بھی نہ ٹوٹے امام صاحب امام ابوحنیفہ حیلہ شرعی کے طور پر فرماتے ہیں کہ عورت نہ اوپر چڑھے نہ نیچے قدم رکھے بلکہ کچھ لوگ مع عورت کے سیڑھی اٹھا کے نیچے رکھدیں اس طرح عورت زمین پر آجائے گی۔ یا اسی طرح ایک شخص اعمش نام کے بخلاف اپنی زوجہ کو طلاق دینے کو کہتے ہیں اگر اس نے گھر میں آٹا ختم ہو جانے کی کبھی اسکو اطلاع دی یا اس کی بابتہ لکھ کے دیا یا کسی سے کہلایا یا کسی سے کہا کہ وہ اعمش سے کہدے یا اشارہ سے

ؔ المناقب للمکی صفحہ ۱۶۶

بتایا چنانچہ امام صاحب کی طرف رجوع کیا گیا تو آپ نے یہ حیلہ شرعی تجویز کیا کہ جب آٹا ختم ہو جایا کرے تو آٹے کے بورے یا تھیلے کو شوہر کے سونے کی حالت میں اس کے کپڑوں سے باندھ دیا کرے جب صبح کو اٹھے گا تو خود ہی اسے آٹا ختم ہو جانے کی اطلاع ہو جائے گی[1] یا مثلاً ایک عورت یہ دعویٰ پیش کرتی ہے کہ میرا نکاح عبدالرحمن سے ہو گیا ہے۔ عبدالرحمن نکاح ہونے کا انکار کرتا ہے نہ مدعیہ اپنے دعوے پر گواہ لاتی ہے نہ عبدالرحمن اپنا انکار حلف کے ساتھ کرتا ہے مشکل یہ ہے کہ عورت کا کہیں اور نکاح نہیں ہو سکتا نہ قاضی عبدالرحمن کو طلاق دینے کا حکم دے سکتا ہے اس لئے کہ اس سے اقرار نکاح مفہوم ہوگا اور مہر واجب ہو جائیگا تو اس کے لئے شرعی حیلہ یہ ہے کہ قاضی اس سے یہ جملے ادا کرانے کا حکم دے

ان کنتِ امرأتی فانتِ طالق ثلثاً[2] اگر تو میری عورت (زوجہ) ہے تو تجھ پر تین طلاقیں

ایک شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس آکے عرض کرتا ہے کہ میرا ایک اکلوتا بیٹا ہے لیکن اسکی یہ عادت سی ہو گئی ہے کہ جب اس کا نکاح کرتا ہوں تو عورت کو طلاق دیدیتا ہے اور اگر باندی اسکے پاس ہوتی ہے تو اسے آزاد کر دیتا ہے اس نے اپنی اس حرکت سے مجھے عاجز کر دیا ہے آپ کوئی حیلہ شرعی بتا دیں کہ میرے لڑکے کی اولاد ہو امام صاحب نے فرمایا کہ اسکی پسند اور انتخاب سے کوئی باندی تم اپنے لئے خرید لو پھر اس کا نکاح

---

[1] ماخذ سابق صفحہ ۱۴۰ [2] الاشباہ والنظائر صفحہ ۲۹۵

اس سے کردو اگر وہ طلاق دیگا تو تمھاری باندی تمھاری باندھی رہیگی اور اگر اسے آزاد کردیگا تو یہ آزاد کرنا بے محل ہوگا اس لئے کہ وہ اس کی ملکیت ہی نہیں اور یہ آزادی اپنی ملکیت پر جاری ہوتی ہے [۱]

جیسا کہ صفحات ما قبل میں گذرا کہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اس حقیقت کی طرف اشارہ خوب کیا کہ متاخرین کو کچھ مثالیں ائمہ کے حیل شرعیہ کی مل گئی ہیں۔ انھوں نے طرح طرح کی فرضی شکلیں پیدا کرکے فقہ کے تقریباً ہر باب میں اضافہ کردیئے اور مستقل مستقل تصانیف اور تالیفات بھی کردیں چنانچہ کتاب الصوم باب الفدیہ میں لکھتے ہیں کہ ایک فقیر شخص کا فقیر باپ مرجاتا ہے متوفی کے ذمہ کچھ نمازیں اور روزے ہیں۔ بیٹا رقم فدیہ ادا کرنے کے لئے کہاں سے لائے اور ادا نہ کرے تو اس کا غم کیسے سہے اسکے لئے حیلہ شرعی یہ ہے کہ فدیہ کی احتیاطی مقدار دو سیر گیہوں کا انتظام کرکے یہ فقیر بیٹا کسی دوسرے فقیر کو بطور فدیہ دیدے پھر اس فقیر سے دوسرے وقت وہی مقدار بطور ہبہ واپس لے لے یہی عمل اس وقت تک جاری رکھے جب تک کل فدیہ کی مقدار ادا نہ ہوجائے [۲]

یا اسی طرح اگر کسی مفلس فقیر کو قرض دیا اب وہ ادا کرنے سے عاجز رہا تو تدبیر یہ ہے کہ اس کو قرض خواہ زکوٰۃ کی رقم دیدے اور وہ فقیر اس رقم کو اسپر قبضہ کرنے کے بعد قرض میں ادا کردے فحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوتہ ثم یاخذھا عن دینہ [۳]

---

[۱] انتقاء ابن عبد البر صفحہ ۲۱۵ ؛ [۲] الاشباہ والنظائر صفحہ ۹۹ طبع مملکۃ [۳] شامی جلد ۲ صفحہ ۱۰۰

لیکن ابن قیم اس کو جائز نہیں سمجھتے[1]

ایک طوائف جس کی کل آمدنی حرام ذریعہ سے ہے اور وہ کسی کار خیر میں چندہ دینا چاہے مسجد بنوانا چاہے تو کس حیلہ شرعی سے اسکے لئے حیلہ شرعی یہ ہے کہ وہ کسی سے روپیہ قرض لے اور یہ روپیہ چندہ میں دیدے پھر حرام کاری والی رقم سے قرض ادا کردے

اگر کسی سے کسی بات کا مجبوراً حلف لیا ہی جا رہا ہے اور وہ راضی نہیں تو اس کی صورت مفر کی یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہلانا چاہتا ہے اسے بحلف کہدے پھر آخر میں آہستہ آہستہ کہ صرف اسکے ہونٹھ ہلتے معلوم ہوں "انشاء اللہ" کا جملہ کہدے اس طرح کہ دوسرے نہ سنیں تو اس کا یہ حلف حلف نہ ہوگا۔

اسی طرح ایک شخص کی کوئی چیز چوری ہوگئی یہ اسے قرائن سے معلوم ہوگیا کہ ان چند لوگوں میں سے کسی نے چرائی ہے۔ عورت پر شبہ ہے کہ اسے معلوم ہے وہ اقبال نہیں کرتی۔ شوہر کہتا ہے کہ اگر تو چرانے والے کا نام نہ بتائے تو تجھ طلاق اب عورت کے بچاؤ کے لئے حیلہ یہ ہے کہ وہ ان سب لوگوں کے نام زباں سے لے لے اس صورت میں اصل سارق کا نام بھی آجائیگا۔ اور اسپر طلاق نہ ہوگی۔ یا دو سگی بہنوں کے دو مردوں سے نکاح ہوئے لیکن غلطی سے ایک دوسرے کے پاس رخصت

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۳ صفحہ ۲۳۶

ہو کے چلی گئی ان کو خلوت صحیحہ بھی ہو گئی۔ صبح کو حقیقت حال کا پتہ چلا۔ یہ مسئلہ جب امام محمد کے سامنے آیا تو آپ نے یہ تدبیر کی کہ پہلے دونوں سے انکی مدخولہ کو اپنی اپنی زوجہ بنانیکی رضامندی کا اظہار کرایا پھر ان سے کہا کہ تم اپنی اپنی منکوحہ عورتوں کو ایک ایک طلاق دیدو۔ چنانچہ انھوں نے طلاق دیدی اسپر آپ نے فرمایا کہ ان سے ہر ایک اپنا اپنا نکاح کرلے۔ چنانچہ نکاح ہو گئے تو آپ نے فرمایا

لیمض کل منکما الی اھلہ — جائے اپنی اپنی بیویوں کے پاس جائے

علامہ اس حیلہ کو لکھ کے یہ بھی فرماتے ہیں کہ

ھذہ الحیلۃ فی غایۃ اللطف — یہ بڑے مزے کا حیلہ ہے۔

جسمیں ایک طلاق سے طلاق بائن عدت نہیں اور اسپر مستزاد کہ عدت ہی کے اندر نکاح کا جواز بھی[1]

یہ اور اس کے مثل دوسرے ابواب میں حیل شرعیہ کے جواز کی صورتیں بہت ہیں جنکو میں نے بخوف طوالت ترک کر دیا۔ علامہ ابن قیم نے جائز اور ناجائز دونوں کی مثالیں اعلام الموقعین جلد ثالث میں بکثرت دی ہیں وہ صورتیں کہ جنمیں نہ کسی کی حق تلفی ہوتی ہے نہ یہ حرام خوری کے وسائل بنتے ہیں وہ جائز ہیں اور انکے برخلاف ناجائز چنانچہ صاحب عین الہدایہ تکملہ میں فرماتے ہیں۔

حیلہ سے بحسن نیت وصدق طویت بھی مقصود ہو کہ حرام وگناہ سے بچے یا ثواب اور حلال کا وسیلہ ہو تو جائز ہے[2]

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۳ صفحہ ۲۶۲ شامی جلد ۲ صفحہ ۹۲۹ [2] عین الہدایہ تکملہ جلد ۴ صفحہ ۵۶۸ ما بعد